1983

الرشد

جلد ۴ ، شمارہ ۷ ماہ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ مطابق مئی ۱۹۸۳ء

سرپرست اعلیٰ

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

مدیر مسئول

پروفیسر: حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات

مجلس ادارت اعزازی

پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی اے

ڈاکٹر ز، ایم اے

مولانا محمد اکرم صاحب منارہ (جہلم)

پروفیسر باغ حسین کمال ایم اے

بدل اشتراک

زر سالانہ	۳۵ روپے
ششماہی	۱۸ ″
فی کاپی	۳ ″
بیرون ممالک سے	۱۰۰ ″

سول ایجنٹ

مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

علم سلوک و تصوف اور دینی و مذہبی اصلاحی واحد مجلہ

اس شمارے میں

اداریہ	ایڈیٹر
اسرار التنزیل	مولانا اکرام
چراغِ مصطفوی ؐ	پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے
فنافی الرسول ؐ	فیض الرحمان اسلام آباد
دیکھتا چلا گیا	(سیلانی)
حضرت ابوہریرہؓ	پروفیسر حافظ محمد شریف
احتساب	ابوسعید

ماہنامہ المرشد چکوال (جہلم)

رابطہ کے لئے دارالعرفان منارہ (جہلم)

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد چکوال الحسنات منزل چکوال سے شائع کیا۔

اداریہ:

مساوات

پاکستان، جس کے معرضِ وجود میں آنے کا محرک یہ جذبہ تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ جواب تھا لا اِلٰہ اِلا اللہ یعنی وہ خطۂ زمین جس میں بسنے والوں پر صرف اللہ کا قانون نافذ ہو گا۔ ہاں اس پاکستان کے ایک شہر میں نہیں، صوبائی دارالسلطنت میں، خواتین نے ہاں ان خواتین نے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتی تھیں اور لوگ بھی انہیں مسلمان سمجھتے تھے، ہاں ان خواتین نے جنہیں مستورات نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ مستور نہیں تھیں، البتہ مکشوفات کہا جا سکتا ہے، ایک احتجاجی جلوس نکالا۔ احتجاج اس بات پر کہ ہم پر اللہ کا قانون کیوں نافذ کیا جانے لگا ہے۔ اللہ کی آخری اور غیر متبدل کتاب۔ قرآن کو ہماری خاطر بدلا کیوں نہیں گیا۔ قرآن کا وہ قانون جس کی رو سے یہ جنس لطیف دوسرے درجے کی شہری قرار پاتی ہے کیوں قائم رہنے دیا گیا ہے اور اسے درخور اعتنا کیوں سمجھا گیا قرآن کے قانون شہادت میں مرد اور عورت کی شہادت کے درمیان فرق کیوں رکھا گیا ہے جبکہ ہر لحاظ سے برابر ہیں۔

جہاں تک یاد پڑتا ہے اسلامی تاریخ میں قرآن کے خلاف یہ تیسرا احتجاج ہے۔ سب سے پہلے جو احتجاج ہوا اس کی خبر خود قرآن نے یوں دی ہے
اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ ھٰذَا اَوْ بَدِّلْہُ۔

ان احتجاج کرنے والوں نے دو مطالبے رکھے۔ اوّل یہ کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لے آؤ۔ ہمیں یہ قرآن منظور نہیں۔ یا۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ اس میں ہماری منشا کے مطابق ردوبدل کردو۔

اس احتجاجی گروہ کا ایک وصف قرآن نے بتایا کہ وہ آخرت کی جوابدہی پر یقین نہیں رکھتے اس وجہ سے احتجاج کر رہے ہیں - اور آخرت کا انکار اسلام کی ضد ہے کفر ہے - اس سے یہ عقدہ کھلا کہ قرآن کے خلاف احتجاج ہوتا ہی اس وقت ہے جب آخرت کی جوابدہی کا عقیدہ دل میں موجود نہ ہو یا کھرچ دیا جائے -

اس احتجاج میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ انہوں نے جلوس بھی نکالا ہو، یا نعرے لگائے ہوں - ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ لوگ غیر مہذب گنوار اور اجڈ تھے -

جلوسی بیگمات کا اس شان اور آن بان سے منظم ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کے خلاف مورچہ لگا لینا تو صرف تہذیب جدید کی برکات ہیں - عرب کے غیر مہذب بدووں کو تو ڈھٹائی کا سلیقہ بھی نہیں آتا تھا -

اس احتجاج کے وقت قرآن لانے والا خود ان میں موجود تھا - اس لئے اس مطالبے کا جواب دینا بھی اس کے فرائض میں داخل تھا - مگر جواب اس کا نہیں بلکہ قرآن نازل کرنے والے کا جواب تھا - جو قرآن لانے والے کی زبان سے لکھوایا گیا - قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ " تو صاف صاف کہدے میں اپنی مرضی اور اپنی خواہش سے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا اختیار ہی نہیں رکھتا ، بلکہ

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ - میرا کام صرف یہ ہے کہ جو کچھ مجھے اس قرآن کی صورت میں وحی کے ذریعے پہنچا ہے اس کی پیروی کروں -

اور یہ اس لیے کہ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ -- میں ڈرتا ہوں اگر میں اس قرآن میں ذرا بھر ردّ و بدل کروں یہ اپنے رب کی صریح نافرمانی ہے جس کی سزا کے لیئے ایک دن مقرر ہے "

اس احتجاج کی جزئیات کی تفصیل یوں بنتی ہے کہ :-

- قرآن کے خلاف پہلا احتجاج کفار مکہ نے کیا -

۲- مطالبہ یہ تھا کہ یا تو سرے سے کوئی نیا قرآن لاؤ یا اس میں ہماری پسند کی تبدیلیاں کرو۔

۳- اس وقت قرآن لانے والا - اللہ کا آخری رسول — ان میں موجود تھا۔

۴- ان کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں یقین تھا۔ کہ اللہ کا رسول اللہ کی کتاب میں ردّوبدل کر سکتا ہے۔

۵- اللہ کے آخری رسول نے صاف اعلان کر دیا کہ اس کتاب کی کسی شق کو تبدیل کرنے کا مجھے اختیار ہی نہیں۔

۶- اس میں تبدیلی کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

۷- یہ احتجاج مردوں کی طرف سے تھا جیسا کہ " عَلَيۡهِمۡ " اور " لَا يَرۡجُوۡنَ " سے ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن کی تاریخ میں اس کے خلاف دوسرا احتجاج اس وقت ہوا جب قرآن لانے والا اس دنیا سے چلا گیا اور اس کا پہلا اور محبوب غلام اس کی نیابت میں برسرِ اقتدار آیا۔

اس احتجاج میں مطالبہ یہ تھا کہ قرآن میں جو قانون زکوٰۃ کی ادائیگی کے متعلق ہے ہم اسے ماننے کے لیئے تیار نہیں اس لئے اسے بدل دیا جائے زمام اقتدار جس ہاتھ میں تھی اس نے واضح الفاظ میں جواب دے دیا کہ جب یہ قرآن لانے والا اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا تو میں کون ہوتا ہوں جو اللہ کی آخری کتاب میں تبدیلی کروں ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ جن زبانوں پر یہ مطالبہ آیا ان کو گُدّی سے کھچوانے کی جو مادی تدبیر ہے وہ اختیار کروں۔ اور احتجاج کرنے والوں کے وجود سے اللہ کی زمین کو پاک کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ چنانچہ اس نے جو کہا وہ کر کے دکھا دیا۔

اس کی احتجاج کی جزئیات یہ سامنے آتی ہیں:-

۱- احتجاج کرنے والے کافر نہیں تھے بلکہ اسلام قبول کر لینے کے بعد اسلام کے

ایک قانون سے منحرف ہو گئے تھے۔ اس لئے اصطلاح میں ان کا نام کافر نہیں بلکہ مُرتد ہے۔

۲۔ ان کا مطالبہ قرآن کے صرف ایک حکم زکوٰۃ کو بدل دینے کا تھا۔

۳۔ حکومت کی جوابی کاروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ استدلالی جواب صرف کافر کو دیا جا سکتا ہے۔ مُرتد کی سزا قتل کے بغیر کوئی نہیں۔

۴۔ احتجاج کرنے والوں نے جلوس نہیں نکالا بلکہ ہتھیار لے کر مقابلہ کے لئے میدان میں آ گئے۔

قرآن کے خلاف تیسرا احتجاج: اسلامی ملک میں، اسلامی سلطنت میں نظام مصطفیٰ کے سایہ تلے، پندرھویں صدی میں خواتین کی طرف سے، جو اپنے آپ کو کہلوانا چاہتی ہیں۔ منظم طور پر جلوس کی شکل میں صوبائی دارالسلطنت میں ہُوا۔ اس لئے یہ احتجاج ہر لحاظ سے نرالا، انوکھا لاجواب اور بے نظیر ہے

پہلا سوال یہ ہے کہ مردوں نے احتجاج کیوں نہ کیا؟ جواب ظاہر ہے کہ قانونِ شہادت کی "زد" عورتوں پر پڑتی تھی لہذا احتجاج بھی انہی کو کرنا تھا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا وہ بیگمات اپنے خاوندوں کی اجازت سے سڑکوں پر نکل آئیں تھیں۔ اگر ایسا ہے تو ان کے خاوندں پر مسلمان ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے دونوں صورتوں میں وہ ان تہمتوں سے بری ہیں

تیسرا سوال یہ ہے کہ ان جلوسی بیگمات کو یہ غلط فہمی کیونکر ہوئی کہ اللہ کی کتاب میں ردّو بدل کیا جا سکتا ہے۔ حبیب اللہ کا آخری رسول ؐ صاف اعلان کر رہا ہے کہ مجھے اس میں ردوبدل کا اختیار نہیں تو کیا ان مہذب بیگمات نے یہ سمجھا ہے کہ صدر ضیاء الحق کے اختیارات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہیں اس لئے اب اس مطالبہ کا موزوں وقت ہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ جب ان جلوسی بیگمات کو اللہ کی آخری کتاب ہی قبول نہیں۔ اور اس کتاب کے قانون کو وہ ظلم سمجھتی ہیں تو انہیں کس ڈاکٹر نے مشورہ دیا

کہ مردم شماری کے کاغذات میں اپنے نام کے سامنے مسلمان کا لفظ لکھوائیں۔ آخر واہگہ کے اس پار بھی تو انسان بستے ہیں۔ اور انہیں اس قرآن کی مطلق ضرورت ہی نہیں۔

مسلمان بیگمات کے اسلام کے خلاف، اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف، اللہ کی آخری کتاب کے خلاف اس باغیانہ جلوس بازی پر ملکی قانون کے محافظ ادارہ پولیس نے قانون کی برتری قائم رکھنے کے لئے جو کارروائی کی اسے درست تسلیم نہیں کیا گیا مگر ممکن ہے اس کی کئی وجوہات ہوں مثلاً:۔

١۔ جب ان بیگمات کا مطالبہ ہی یہ تھا کہ ہم مردوں کے برابر ہیں تو پولیس نے ان کا مطالبہ فوراً منظور کر لیا۔ جو سلوک جلوسی مردوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں وہی انہوں نے جلوسی عورتوں کے ساتھ کیا۔ لہذا پولیس نے ڈیوٹی دینے میں پوری غیر جانبداری کا ثبوت دیا۔ انصاف کا تقاضا ہی یہی تھا۔

٢۔ ممکن ہے پولیس کے اس سلوک پر اظہار ناخوشی کرنے والوں کا موقف یہ ہو کہ پولیس نے ان کے ساتھ بے جا رعایت برتی ہے جبکہ اسلام کی پہلی مثالی حکومت میں قرآن کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو مرتد قرار دے کر ان سے جنگ کی گئی تو پولیس نے اس ارتداد پر صرف ڈرانے دھمکانے پر کیوں اکتفا کیا۔ جب قانون میں نظیر موجود تھی تو بہتر یہی تھا کہ انہیں مکمل طور پر مطمئن کیا جاتا۔

قرآن کے خلاف اس احتجاجی زنانہ جلوس کا بنیادی محرک یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کے برابر کیوں نہیں سمجھا گیا۔ یہ مطالبہ ختم ہو جائے تو احتجاج کا سوال ہی نہیں رہتا۔ اور اگر یہ مطالبہ قائم رہے تو مدت کو آئندہ کئی زنانہ جلوس دیکھنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ یہ جلوس تو گویا بہار کی آمد آمد ہے۔

اس اصول کی بنیاد پر اس مطالبہ کے ساتھ بھی جلوس نکالا جا سکتا ہے

کہ جب مرد اور عورت برابر ہیں تو مرد بچے کیوں نہیں جنتے۔ البتہ اس پر مصالحت ہو سکتی ہے کہ یا تو مرد بچے جننا شروع کردیں، یا عورتیں بچے جننا چھوڑ دیں پہلی صورت مشکل ہے کیونکہ یہ مردوں کے اختیار میں نہیں البتہ دوسری صورت ممکن ہے۔ اور اُصول تدریج کے تحت اس صورت پر عمل شروع ہوگیا۔ پہلا قدم برتھ کنٹرول ہے۔ جس کی برکت سے باور کرایا جا چکا ہے کہ خوشحال گھرانہ وہ ہے جس سے ایک بچہ اور ایک بچی ہو۔ اور جلی حروف میں بورڈ آویزاں کر کے یہ باور کرا دیا گیا کہ " لگ ما شو مان یگ غم" اس کے بعد اگلا قدم یہ کنٹرول، ٹوٹل کنٹرول کی صورت اختیار کرسکتا ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ تائی نون ٹوٹل کنٹرول کی قسم کی کوئی تدبیر اختیار کر لی جائے اس لئے اس بنیاد پر جلوس نکالنے کا خطرہ کم ہے۔

ایک صورت البتہ بہت خطرناک معلوم ہوتی ہے۔ قرآن نے مرد کو یہ کہہ کر کہ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ چار عورتوں سے نکاح کر لینے کی اجازت دی ہے۔ تو اس طرح عورتوں کی توہین بھی ہے اور انہیں دوسرے درجے کی شہری قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ پہلے نمبر پر آنے کے لئے جلوسی بیگمات کوئی جلوس نکال دیں کہ عورت اور مرد برابر ہیں اس لئے ایک عورت کو بھی چار چار مردوں سے نکاح کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اس قسم کے جلوس میں یہ استدلال بھی دیا جا سکتا ہے کہ یہ مطالبہ قرآن کے کسی قانون کو بدلنے کا نہیں بلکہ قرآنی قانون میں ایک مفید قانون کا اضافہ ہے جو " نظریہ ضرورت" کے تحت بڑی آسانی سے نافذ کیا جا سکتا ہے تاکہ اُستادانِ مغرب کی تقلید میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

؎ آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

(مدیر)

(مسلسل)

مولانا محمدؒ اکرم صاحب مناروی

اسرار التنزیل

(فارسٹ انسٹیٹیوٹ پشاور میں ایک تقریر)

ہر حاکم بالا اپنے بنائے ہوئے پروگرام کو اپنی منشا کے مطابق دیکھنا چاہتا ہے۔ ورنہ کہتا ہے میں نوکری سے الگ کردوں گا اور تو ساری عمر روتا رہے گا۔ تجھے کسی محکمہ میں مناسب ملازمت نہیں ملے گی۔ لہذا تو جس یونیورسٹی میں زیر تربیت ہے وہاں تجھے کوئی دیکھ رہا ہے، تیرا مشاہدہ اور ملاحظہ کیا جا رہا، تیرے اعمال و کردار کوئی جانچ رہا ہے کہ تو اس کے وضع کردہ نظام تو نہیں داخل کرنا چاہتا۔ کوئی قانون شکنی تو نہیں کر رہا۔ لہذا اس طالب علم کا کیا حال ہوگا جو یہاں کالج میں آکر صرف جسم کو موٹا کرنا شروع کردے اور بزعم خود سمجھتا رہے کہ میں کامیابی کا زینہ طے کر رہا ہوں غذا اچھی ملتی ہے، لباس عمدہ ہے ماحول صاف ستھرا ہے۔ گاڑیاں ملتی ہیں سارے ملک کی سیر کرائی جاتی ہے اس لئے میں کامران ہوں۔ نہ میاں! اسے رات کو جاگ جاگ کر پڑھنا ہوگا۔ ایک ایک تجربے کے لئے وقت دینا ہوگا۔ اپنے دل و دماغ کو اس طرف متوجہ کرنا ہوگا۔ پھر اس کا امتحان لیا جائے گا یاد کرے گا یعنی محنت کرے گا تب کامیاب ہوگا۔ وگرنہ ساری محنت رائیگاں چلی جائے گی۔ لہذا اتنے بڑے کالج میں جس میں مخلوق آتی ہے کلاسز لگتی ہیں اپنے اپنے پیریڈ پورے کر کے نصاب مکمل کیا جاتا ہے۔ اور جب یہاں سے جانے کا وقت ہوتا ہے، چل دیتے ہیں، جاتی دفعہ تو کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ اپنی اپنی منزل کا رخ کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ تو کیا ان کا یہاں آنا اور یہاں سے چلے جانا بیکار رہے۔ آپ درختوں پر تحقیق کرتے ہیں تو نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ یہ انسان کی خدمت کرتا ہے۔ جانوروں پر تحقیق ہوتی ہے تو چلتے چلتے نتیجہ یہ نکلتا ہے فلاں کیڑے کو تلف کرنے کے لئے

فلاں پرندہ ضروری ہے، لہذا اس کا شکار ممنوع
کیا جائے۔ گویا ایک پرندہ بھی آپ کی خدمت کے لئے
کیڑے کھا رہا ہے اور جانور اور درندہ بھی آپ کی خدمت
میں لگا ہوا ہے، سورج طلوع ہوتا ہے تو آپ
کی خدمت کے لئے بادل برستے ہیں تو آپ کی خدمت
کے لئے زمین اپنے پیٹ میں سے غذا اور
اجناس اگلتی ہے تو آپ کے لئے لہذا یہ سب کچھ
آپ کے لئے ہے مگر آپ کس کے لئے ہیں؟ کوئی
نتیجہ تو برآمد ہونا چاہیئے۔ اگر آپ ہر تحقیق کا کوئی
نتیجہ اخذ کرتے ہیں تو کبھی اپنے متعلق بھی تو سوچیں
کہ یہ ساری چیزیں تو میرے لئے ہیں۔ خَلَقَ لَكُم مَّا فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ اے انسان تمام کائنات کی نعمتیں
اور نظام تو تیری خدمت میں لگا ہوا ہے۔ چرند پرند
حیوانات و نباتات، آفتاب و ماہتاب، زمین و آسمان
سب تیرے خادم ہیں مگر تو کس کے لئے ہے؟ اگر
ان ساری چیزوں کا کوئی انجام اور مقصد ہے تو
یہاں ہماری آمد کا بھی کوئی مقصد ہونا چاہیئے
اور یہ وہ نکتہ ہے جسے کوئی فلاسفر بیان کر پایا نہ
کوئی ادیب و دانشور یہ عقدہ وا کر سکا۔ بیان کیا تو صرف
اللہ کریم کی طرف سے بھیجے ہوئے انبیاء کرام نے
ے

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا
اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے
بتلا دیا چند اشاروں میں

اس نکتہ کو بیان کرنا نبی ہی کا منصب و
مقام ہے۔ اس کے لئے انسان کو نبی کی
راہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یاد رکھئے
دماغ بڑی شے ہے۔ لیکن دماغ اوپر سے
بیان کرتا ہے مگر اس وجود میں ایک شے
اور بھی ہے جسے ڈاکٹر
Running machine کہتا ہے۔ یہ
صرف یہی نہیں ہے یہ تو اس کا ظاہری فعل ہے
اس میں ایک باطنی حس ایسی ہے جو ڈاکٹر کی خورد
بین سے پوشیدہ ہے اور وہ حس ایسی لطیف ہے کہ
پورے جسم کو کنٹرول کرتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی برائی
کرتا ہے۔ اپنا مال ضائع کرتا ہے۔ اس کا دماغ بھی
اس کو رائے تو دیتا ہے کہ تم دولت ضائع کر رہے ہو
اپنا نقصان کر رہے ہو۔ مگر اس سے پوچھو تو کہے گا
دل کے ہاتھوں مجبور ہوں گویا اقلیم جسم پر اصل حکومت
اور کنٹرول دل کا ہے۔ اس لئے اللہ کریم فرماتے
ہیں کہ جب انسان انتہائی گستاخی کرے تو میں تو میں
اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہوں۔ خَتَمَ اللهُ عَلَىٰ
قُلُوبِهِمْ، یہاں دماغ پر مہر نہیں فرمایا۔ کافر یا بدکار
کا دماغ و ذہن سلب نہیں کیا جاتا کہ یہ پاگل ہو
جائے۔ اس کے دل پر مہر کر دی جاتی ہے پھر
اس کا دل حقائق کو قبول کرنے سے محروم
ہو جاتا ہے جس طرح اعضائے جسمانی کی
مختلف امراض ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سے
بچھڑ جانا دل کا مرض ہے جب دل اسی طرح سے

کٹ جاتا ہے تو نہ نماز پڑھنے کو جی چاہتا ہے نہ
روزے رکھنے پر طبیعت آتی ہے نہ دیگر دینی امور
کی طرف دل لگتا ہے بلکہ قرآن سننے تک وہ عاری
ہو جاتا ہے، کہتا ہے وقت نہیں۔ دنیا کے تمام
دھندوں کے لیے تو اس کے پاس وقت ہوتا ہے
مگر اللہ کی کتاب اس کے گھر اور اس کے
لئے عبادت الہ اس مقام اور زندگی کے لئے جہاں
ہمیشہ رہنا ہے اس کے پاس وقت نہیں ہوتا کیوں؟
اس کا دل اس طرف سے واقف نہیں اور جس جگہ
جانے کو جی چاہے چوروں کی طرح جا گھستا ہے
کیوں؟ اس لئے کہ دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔ یادِ
الٰہی سے غفلت دل کی بیماری ہے۔ پھر اگر اسے
مسلسل غفلت میں رکھا جائے تو یہ بیماری بڑھتے
بڑھتے دل کی موت پر منتج ہوتی ہے۔
خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ
وَعَلٰی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ تب اس کے کان
حق قبول کرتے ہیں نہ آنکھیں حق دیکھ سکتی ہیں
اور نہ ہی حق قبول کرتا ہے۔ لہٰذا اس مرض کا کچھ
علاج بھی تو ہونا چاہیے، آقائے نامدار صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے لِکُلِّ شَیءٍ ثقالۃٌ
جو چیز بھی خراب ہو جائے، بگڑ جائے، میلی ہو جائے
اس کی درستی اور صفائی کے لئے اللہ کریم
نے کوئی نہ کوئی چیز تخلیق فرمائی ہے۔ کوئی نہ کوئی
سبب پیدا فرما دیا ہے۔ اسے اختیار کیا جائے تو وہ
شے صاف ستھری اور چمک جاتی ہے ہم دیکھتے

ہیں کہ ناقص دھاتیں تو گل سڑ جاتی ہیں لیکن اعلیٰ
دھات سونے کو مٹی میں پھینک دیں۔ گندہ اور آلودہ
ہو جائے گا۔ بکھر جائے گا لیکن اس کے ذرات کو اکٹھا
کر کے بھٹی دے دیں تو وہ پھر سونے کی ڈلی بن جائے
گا۔ انسانی قلب کی ماہیت بھی کچھ ایسی ہی بنائی گئی
ہے کہ یہ کتنا ہی پراگندہ اور میلا کچیلا ہو جائے یہ پھینکنے اور
ضائع کرنے والی شے نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کا ارشادِ عالی ہے ثقالۃ القلوب ذکر اللہ
اس کی پالش اللہ کے پاک نام کا ذکر ہے اسے
چمکانے اور صحت مند کرنے اور اس کی سمت
درست کرنے کے لئے صرف اللہ کے ذکر کی ضرورت
ہے تمام تر عبادات کی بنیاد بھی ذکرِ الٰہی بنتا ہے
جب تک دل خدا سے آشنا نہ ہو عبادت کسی طرح
کرے، اب یہاں گورنر بھی آ جائے مگر ہم اسے
پہچانتے نہ ہوں۔ کسی نے اس کی شکل نہ
دیکھی ہو۔ کوئی ہمیں بتانے والا نہ ہو تو
ہم اسے کیا تعظیم دیں گے اور کیسے اس
کی عزت کریں گے۔ مگر اگر کوئی بتا دے تو
سڑک سے گزرتے ہوئے بھی اس کا احترام بجا لائیں
گے۔ اس کی نظر ہماری طرف بھی نہ ہو تو بھی ہم تعظیم
پیش کر رہے ہوں گے کیوں؟ ہم جانتے ہیں کہ وہ
ہمارا حاکم اعلیٰ ہے ہمیں اس کی عزت کرنی چاہیے
مگر جب دل ذاتِ باری سے آشنا ہی نہیں ہے
تو پھر محض اٹھنا بیٹھنا ایک پریکٹس ہے وہ بھی ان
گھروں میں جہاں کسی نیک انسان کا گزر بسر ہوتی

اس کی نقالی میں کچھ کر لیا۔ اتنا کچھ بھی نہ کرتے سے تو ہزار گنا اچھا ہے۔ لیکن حقیقی نماز، تلاوت و عبادت کا لطف تب آتا ہے جب دل اللہ کریم سے آشنا ہو جائے۔ صحیح احترام و ادب اور حقوق الٰہی کو انسان تب سمجھ سکتا جب اس کی باطنی حکومت درست ہو۔ میں کسی بیرونی ملک سے معاہدہ کرتا رہوں تو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ مگر صدرِ مملکت کسی ملک سے عہد درستی باندھیں تو سارا ملک اس کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس طرح دست و پا عبادت کرتے رہیں تو یہ ان کا انفرادی فعل ہوتا ہے لیکن جب دل کہتا ہے کہ مجھے عبادت کرنی ہے تو وجود کا ذرہ ذرہ اللہ تبارک کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے اس لئے کہ یہ جسم کی ریاست کا سربراہ و حکمران ہے یہ وہ شہنشاہ ہے جسے دماغ کا وزیر مشورہ تو دے سکتا ہے لیکن اسے کسی طرف مجبور نہیں کر سکتا۔ دماغ یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ کام غلط اور برا ہے اس کو انجام دینے اور دل کی اطاعت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جب یہ بادشاہِ دل معاہدہ کرے خدا آشنا ہو جائے جب یہ اللہ کی بارگاہ میں جھک جائے تو سارا وجود جھک جاتا ہے۔ انبیاء کرام بے سروسامانی کے عالم میں مبعوث ہوتے ہیں ان کے پاس سپاہ و خزانہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مگر جو دل بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرش سے اٹھا کر عرشِ عظیم پر پہنچا دیا۔ جو دل بھی باری تعالیٰ سے آگاہ ہو گیا اس نے مار کھانا اور گردن کٹانا، گھروں کو لٹانا، احباب و اقربا کو چھوڑنا تو گوارا کیا مگر ذاتِ باری تعالیٰ سے تعلق توڑنا گوارا نہ کیا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کوئی مؤرخ ہو کسی قوم و مذہب کا ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ یہی وہ عظیم دولت ہے جسے لے کر انبیاء کرام مبعوث ہوئے جس طرح آم کا پھل کیکر پہ نہیں لگتا اور چنبیلی کا پھول آک پر نہیں کھلتا اسی طرح جو نعمت انبیاء لاتے ہیں وہ غیر نبی سے حاصل نہیں ہو سکتی کوئی فلسفی ہو۔ عالم ہو یا دانشور لیکن اس نعمت کا پھل نبی کے قلبِ اطہر پہ ہی بارآور ہوتا ہے اور یہ دولت جس کسی کو نصیب ہوتی ہے نبی کے وسیلے اور وساطت سے ہی میسر آسکتی ہے پھر جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے سامنے آئے تو آپ کی ایک نگاہ میں انہیں وہ منازلِ قرب نصیب ہوئے کہ بعد کے کسی انسان کو ہزاروں برس عمر کی بے ریا عبادات نصیب ہو جائے تو وہ ولی تو بن سکتا ہے لیکن ساری کائنات کے اولیاء اللہ کے مناصب اور شان اکٹھے کئے جائیں تو صحابہ کرام کے جوتے کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے اور نہ برابر ہو سکتے ہیں۔ صحابہ کرام پہ یہی عبادات فرض تھیں جو ہم پہ ہیں۔ آخر اس عظمت کی وجہ کیا ہے۔ صرف ایک ہی بات تھی کہ انہیں براہِ راست صحبتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل تھی۔ اس نگاہ پاک میں جو تاثیر تھی وہ انہیں

کا حصہ تھا۔ بعد والا نہیں پا سکتا۔ صحابہ کرامؓ نے اس دولت مشرق و غرب میں پھیلا دیا۔ ایک ہم ہیں کہ اس دولتِ عظمیٰ کو اپنے 5 فٹ کے وجود پر حاوی نہیں کر سکتے۔ ایک وہ تھے جنہوں نے اس امانت الٰہی کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچایا۔ گداگروں کی جھونپڑیوں سے لے کر شاہی محلات تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کو پہنچایا۔ لوگوں کے قلوب منور کر دئے۔ اللہ کریم کی ٹوٹی اور بچھڑی مخلوق کو بیت خانوں سے آتش کدوں اور برائیوں کے مراکز سے اٹھا کر خدا شناس کر دیا پھر صحابہ کرامؓ کی نگاہ میں وہ تاثیر تھی کہ جس کسی نے صحابی کی زیارت کر لی۔ کسی نے اس چہرے کو دیکھ لیا جو کبھی نگاہِ نبوی ﷺ کے سامنے ہوتا تھا وہ بھی اُمت میں یگانہ حیثیت کا مالک ہے کوئی دوسرا ان کی عظمت کو نہیں پا سکتا اس تمام تر عظمت مکی زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ رہنے، پتھروں پر گھسیٹے اور تیروں سے سینے چھلنی کرانے کے باوجود اللہ کریم انہیں ارشاد فرماتا ہے اذکروا اللہ ذکراً کثیرا اس عظمت۔ اس بلندی اور اس رفعتِ شان کے باوصف میرے محبوب و مقبول بندو میرا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔ ایک، دو، سو ہزار مرتبہ نہیں بلکہ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ ایسا ذکر کرو کہ نہ صرف زبان بلکہ دل، خون، گوشت اور ہڈیاں تک ذاکر ہو جائیں۔ ہاتھ دنیا کے کام میں مصروف ہوں۔ پاؤں سفر میں ہوں زبان محوِ گفتگو ہو مگر وجود کا ذرہ ذرہ اللہ اللہ کر رہا ہو۔ حتیٰ کہ تو کھڑا ہو اللہ اللہ کر۔ بیٹھا ہو تو اللہ اللہ کر۔ لیٹا ہوا ہو تو اللہ اللہ کر۔ تیری زندگی کا کوئی لمحہ غفلت میں نہ گزرے۔ یاد رکھئے یہ زندگی بڑی مختصر ہے اگر آخرت کے مقابلہ میں اس کی نسبت دیکھی جائے تو یہ ایک لمحہ بھی نہیں بنتی۔ انسان نے جہاں ابد آباد تک رہنا ہے وہاں کے ساری تاریخ اس کے موجودہ چند لمحوں پر منحصر ہے سو اگر ان چند لمحوں کو لہو و لعب یا سو کر ضائع کر دے گا تو وہاں کے لئے کیا تعمیر کر سکتا ہے اس لئے اللہ کریم نے فرمایا کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں اس کے احکام مخصوص ہیں۔ اس کی شرائط ہیں مگر ذکر ایسی عبادت ہے کہ بندے کی عمر تھوڑی ہے یہاں کام کرنے کی مہلت تھوڑی ہے اور وہاں انجام پیش آنے والی ایک طویل زندگی ہے اس لئے میرے بندے بغیر کسی شرط کے کسی بھی حالت میں کسی بھی جگہ پر ہو میرا ذکر کیا کر اور اس کثرت سے کر کہ کوئی اور کام اس کثرت سے نہ کر سکے زندگی میں سب سے زیادہ کام ذکرِ الٰہی ہو۔

آخر آج مسلمان کی دینی بے حسی کا سبب کیا ہے تاریخ عالم پر نگاہ ڈالیں۔ جب کبھی احیاءِ دین کی خدمت انجام دی تو وہ خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے بوریا نشین درویش تھے بڑے بڑے علماء اور سپہ سالار موجود تھے مگر جہانگیر کو توبہ کرانے کے لئے کسی مجدد الف ثانی رح کی ضرورت پیش آئی۔ خدا کی جب کبھی مخلوق کٹتی ہے تو ہمیشہ وہی لوگ اسے دوبارہ اللہ سے پیوستہ کرتے کا کام انجام دیتے

ہیں۔ جن کے اپنے قلوب اللہ کریم سے جڑے ہوتے ہیں۔ یہ فن، یہ کام اور یہ مشن انہی کا ہے اسے جانتے وہی ہیں اسے سمجھتے وہی ہیں یہ دولت صرف انہی کے پاس ہوتی ہے جو جنس جس دکان پر ہوتی ہے وہیں سے خریدی جاسکتی ہے ایک ڈاکٹر کو آپ عدالت میں کھڑا کردیں کہ میرا کیس پیش کر ایک قابل وکیل کو لے آئیں کہ میرا موٹر درست کردے وہ کیا کرسکتا ہے یہ اس کا فن نہیں ہے۔ قابل ہونا اور بات ہے اور صاحبِ فن ہونا اور بات ہے۔ لہذا یہ فن یہ کمال یہ فیضان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد والی خلقت فیض لینے میں یکساں نہ رہی ذات کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اوصاف وکمالات عطا فرمائے تھے لیکن ایک ہی صحبت میں کوئی محدث، کوئی مفسر، کوئی فقیہ اور کوئی اعلیٰ پایہ کا جرنیل نہیں تھا۔ اپنے اپنے شعبے میں جس جس صفتِ رسول ؐ کا عکس کسی پر پڑتا گیا وہ کمال اس میں پیدا ہوتا گیا۔ اس طرح کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے علومِ ظاہری کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور ساتھ ہی قلوب کی روشنی کو بھی وہاں سے اخذ کرلیا۔ اب یہ انہی لوگوں کا کام ہے کہ وہ ہماری رہنمائی کریں۔ یہ تو دیئے سے دیا جلتا ہے یوں تو آپ نے کتنے بلب لگا رکھے ہوں۔ لیکن ضروری بات یہ ہے کہ بلب کا تعلق پاور ہاؤس سے ہو کہیں سے تار کاٹ دیں تو اس تار سے آگے جتنے بھی ہوں گے ختم ہوجائیں گے۔ اس طرح ضروری ہے کہ دل کا تعلق گنبدِ خضریٰ سے ہو۔ اس روشنی سے جس کے امین محمد رسول اللہ ہیں لہذا ذکر انتہائی ضروری ہے۔ نماز روزے غرضیکہ تمام تر عبادات کی روح ذکر ہی ہے انسانی زندگی کی تعمیر کے لئے ذکرِ الٰہی لازمی ہے۔ اللہ کریم سے تعلقات استوار کرنے کے لئے ذکرِ الٰہی انسانی ضروریات میں سے ہے اس لئے اہل اللہ فرماتے ہیں کہ ذاکرین کو تلاش کرنا اور ان سے ذکر سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اور یہ وہ فریضہ ہے جسے اکثریت چھوڑ چکی ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو قرآن حکیم پڑھنے، سننے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں

خط وکتابت کرتے وقت

خریداری نمبر کا ضرور حوالہ دیں

"ادارہ"

پروفیسر
حافظ عبدالرزاق ایم اے

چراغِ مصطفوی

۱- عن عبادۃ ابن صامت رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من شھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ حرم اللہ علیہ النار

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جو شخص شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالےٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے"

شہادت یا گواہی یہ ہے کہ کسی حقیقت یا سچی بات کو زبان سے ادا کر کے یہ ظاہر کر دیا جائے کہ حقیقت یہ ہے - انسانی عدالتوں میں اسی شہادت پر ہی فیصلے ہوا کرتے ہیں کیونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو کچھ یہ زبان سے کہہ رہا ہے اس کے دل میں بھی یہ یقین موجود ہے کہ سچ یہی ہے، زبان دل کی ترجمان ہے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں اور جان بوجھ کر دیتے ہیں، یعنی زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا گو وہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹ کہہ رہے ہیں مگر زبان سے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں اسی وجہ سے غلط فیصلے دئیے جاتے ہیں- کیونکہ فیصلہ کا دارو مدار شہادت پر ہوتا ہے کسی کے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ دینا اللہ کا کام ہے مگر اسے یہ دھوکا نہیں دیا جا سکتا کہ زبان سے کچھ اور کہیں اور دل میں کچھ اور ہو- اس لئے اس کے فیصلے دل کی شہادت پر ہوں گے -یعنی وہ دیکھتا ہے کہ جو کچھ یہ زبان سے کہہ رہا ہے کیا اس کا دل بھی اس کی شہادت دیتا ہے اور اس میں بھی یہ یقین موجود ہے کہ حقیقت یہی ہے - اگر دل میں یقین نہیں اور زبان سے کہہ رہا ہے تو یہ جھوٹی شہادت ہوئی - اور جھوٹی شہادت دینا تو انسانی

قانون کے مطابق بھی جرم ہے اس لئے جھوٹی شہادت دینے والے کو سزا دی جاتی ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں آتا ہے "اے میرے حبیبؐ! منافق لوگ تیرے پاس آکر کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ یقیناً تو اللہ کا رسول ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسولؐ ہے لیکن اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں"

ظاہر ہے کہ منافق زبان سے جو کچھ کہتے ہیں وہ تو سچی شہادت تھی مگر چونکہ ان کے دل میں اس کا یقین نہیں تھا اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان کی شہادت کو جھوٹی شہادت قرار دیا۔

اب اس حدیث کا مطلب واضح ہوگیا کہ نبی کریمؐ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا دل اس بات کی شہادت دے اور وہ زبان سے دل کی بات ظاہر کردے کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں۔ تو وہ دوزخ سے بچ گیا۔

لفظ معبود اور رسول کا مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ معبود اسے کہتے ہیں جس کی ہر بات نہایت عقیدت عاجزی اور محبت سے مانی جائے اور رسولؐ وہ ہے جو یہ سکھائے کہ اللہ کا حکم کیا ہے اور اس کی تعمیل کرنے کا صحیح طریقہ کونسا ہے۔

اگر انسان دل کے یقین کے ساتھ ان دو باتوں کی شہادت دے تو اپنی عملی زندگی میں اللہ کی نافرمانی جان بوجھ کر نہیں کریگا غلطی ہو جانا اور بات ہے جو قابل معافی ہوتی ہے اگر آدمی اللہ کی نافرمانی ڈٹ کے کرے اور یہ شہادت بھی دیتا رہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کی شہادت جھوٹی ہے اس کے دل میں کچھ اور ہے زبان پر کچھ اور اور اس کے دل میں وہ ہے جو اس کے دل سے ظاہر ہو رہا ہے۔

اسی طرح اگر وہ عملی زندگی میں ہر کام اللہ کے رسول کے ہوئے طریقے کے خلاف کرے، یا رسول سے پوچھے ہی نہیں جو جی میں آئے اور جیسا جی چاہے کرنے لگے اور زبان سے شہادت بھی دیتا رہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ بات تو درست ہے مگر وہ جھوٹا ہے کیونکہ اس کے عمل سے ظاہر ہے کہ کام تو اپنی خواہش کے مطابق کرتا ہے صرف زبان سے رسول اللہ کا نام لیتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ نبی کریمؐ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دل سے یہ یقین رکھے اور اس کی عملی زندگی اس کی گواہی دیں تو اللہ تعالےٰ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔

۲: عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من کن فیہ کان منافقًا خالصًا

ومن کانت فیہ خصلۃ من ھن
کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتیٰ
یدعھا۔ اذا ائتمن خان۔ واذا حدث
کذب واذا عاھد غدر واذا خاصم
فجر۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار
خصوصیات جس میں ہوں گی وہ پکا منافق
ہے اور جس میں ان میں سے ایک عادت ہوگی
تو اس میں نفاق کی ایک عادت ہے جب تک
اسے چھوڑ نہ دے (وہ چار یہ ہیں)

(۱) جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے وہ
خیانت نہ کرے۔

(۲) جب بات کرے، جھوٹ بولے،

(۳) جب عہد کرے، عہد شکنی کرے۔

(۴) جب جھگڑے تو گالی دے۔

کوئی کام جب پہلی دفعہ کیا جائے تکلیف
اور مشقت سے کرنا پڑتا ہے۔ بار بار کرنے سے وہی
کام بڑی سہولت اور آسانی سے ہونے لگتا ہے
اور تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا کسی کام کو بار
بار کرنے کا نام عادت ہے اور عادتوں کے
مجموعے کا نام سیرت، کردار یا کریکٹر ہے جس شخص
کی سیرت میں یہ چار عادتیں جمع ہو جائیں رسول اکرمؐ
کی نگاہ میں وہ پکا منافق ہے

منافق اسے کہتے ہیں جس کے دل میں انکار ہو
زبان پر اقرار ہو۔ یہ اسلامی اصطلاح ہے
جس کے دل اور زبان دونوں جگہ انکار ہو اسے
کافر کہتے ہیں اور جس کے دل اور زبان دونوں
جگہ اقرار ہو اسے مومن کہتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ منافق سب سے
زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ کیونکہ نفاق جھوٹ
بھی ہے دھوکا بھی ہے۔ اور منافق گویا دوست
نما دشمن ہوتا ہے اور کھلے دشمن سے زیادہ
خطرناک ہوتا ہے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد یہ ہے
کہ جس میں یہ چار عادتیں جمع ہو جائیں اس کے
منافق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

پہلی عادت۔ امانت میں خیانت ہے اور
یہ مال میں بھی ہوتی ہے، جائداد میں بھی، عزت
اور آبرو میں بھی، اور راز کی بات میں بھی۔ ان میں
سے کسی چیز میں بھی امانت رکھنے والے کی مرضی
کے خلاف استعمال کیا جائے یا اسے نقصان
پہنچایا جائے تو یہ خیانت ہوگی۔

خیانت چوری بھی ہے اور دھوکا بھی۔ دھوکا
یوں کہ امانت رکھنے والے نے تمہیں امین سمجھا تم
پر اعتبار کیا مگر تم امین نہیں تھے خائن تھے مگر اسے
بتایا نہیں اسے دھوکا دیا۔ چوری ہونا تو ظاہر ہے
اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

دوسری عادت جھوٹ بولنا ہے۔ جھوٹ بولنے
کی دو صورتیں ہیں اوّل کسی ضرورت کے ماتحت اور ضرورت
لازماً کوئی دنیوی ہوتی ہے مثلاً کوئی مالی مفاد حاصل

کرنا ہو۔ یا اپنی کسی کمزوری کو چھپانا ہو یا جھوٹی شہرت حاصل کرنا ہو، بہر حال ان میں سے کوئی صورت بھی وہ دراصل ضرورت نہیں ہوتی بلکہ محض اپنے آپ کو دھوکا دینے کا ایک بہانہ ہوتا ہے جو صریح دھوکا ہے۔

دوم عادتاً جھوٹ بولنا - پہلی صورت میں ممکن ہے کہ آدمی جھوٹ کو برا سمجھتے ہوئے جھوٹ بولے مگر دوسری صورت میں تو ظاہر ہے کہ عادتاً جھوٹ بولنے والا جھوٹ کو برائی سمجھتا ہی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل ایمان کی لذت سے آشنا ہی نہیں ایمان اور جھوٹ آپس میں جمع ہو ہی نہیں سکتے - جبھی تو جھوٹا آدمی اللہ کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے ۔ جھوٹ جب عادت بن جائے تو خوبی شمار ہونے لگتا ہے اور اس کا نام بدل کر اس پر فخر بھی کیا جاتا ہے مثلاً ڈپلومیسی یا حکمت عملی کا نام دیکر لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور بے دھڑک بولتے ہیں ۔

منافق کی تیسری عادت نقض عہد ہے اس کے نقصان متعدی ہوتے ہیں یعنی کسی سے کوئی عہد کیا اور جان بوجھ کر وعدہ خلافی کی - اس کے نقصان متعدی ہوتے ہیں مثلاً کسی سے وعدہ کر کے پورا نہ کیا تو اول تو اسے دھوکا دیا - پھر اسے زحمت انتظام اٹھانی پڑی - پھر اسے مایوسی کا شکار ہونا پڑا - عموماً ہوتا یہ ہے کہ جس سے کوئی عہد کیا جائے وہ اپنے تمام پروگرام اس کے مطابق بنا لیتا ہے جب عہد کرنے والے نے عہد پورا نہ کیا تو اس کے سارے پروگرام کو بگاڑ کے رکھ دیا عہد کی کئی قسمیں ہیں - ایک تو بندے کا اللہ سے عہد ہے آدمی یہ عہد اس وقت کرتا ہے جب لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہے۔

دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد ہے جب اس نے محمد رسول اللہ کہہ کر حضورؐ کی رسالت کا اقرار کیا تو اس نے عہد کیا کہ میں حضورؐ کی سنت کے مطابق عملی زندگی بسر کروں گا جب اس نے اپنے روزمرہ زندگی کے کاروبار میں نہ اللہ سے پوچھا نہ رسول سے بلکہ من مانی کرتا ہے تو اس نے عہد کی خلاف ورزی کی - یہی تو نفاق کی نشانی ہے۔

دوسرا انسانوں کے آپس میں عہد ہوتے ہیں۔ جو شخص اللہ کے ساتھ عہد کر کے مکر گیا وہ انسانوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو کب نباہے گا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منافق کی تیسری نشانی قرار دیا ہے۔

منافق کی چوتھی عادت جھگڑتے وقت بیہودہ بکنا ہے۔ جہاں چند آدمی مل کر رہتے ہیں - وہاں مذاق، مزاج، پسند و ناپسند میں اختلاف کی وجہ سے اختلاف رائے ہو جانا قدرتی بات ہے - لیکن جو کم ظرف آدمی اختلاف رائے کو برداشت نہ کر سکے وہ جھگڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے مگر جھگڑنے کا شریفانہ طریقہ بھی ہے - جس کے دل میں نفاق کا

مرض ہو وہ جب جھگڑے گا گالی گلوچ اور بے ہودہ بکواس ضرور کرے گا۔ اور جس میں یہ عادت پختہ ہو جائے وہ تو بات بات پر گالی دے گا کیونکہ وہ اسے عیب نہیں سمجھے گا۔ اور یہ مرض اگر اور بڑھ جائے تو آدمی گالی دینے کو عبادت کا درجہ دے دیتا ہے۔

یہ چاروں ایسی اخلاقی اور روحانی بیماریاں ہیں کہ انسان کے اندر ایمان کو ٹکنے نہیں دیتیں جس میں چاروں عادتیں موجود ہوں اسے تو حضور اکرم ؐ نے پکا منافق قرار دیا ہے اور جس میں ان میں سے کچھ عادتیں موجود ہوں اسی نسبت سے اس میں نفاق پایا جائے گا۔ اور نفاق، ایمان کی ضد ہے اور دنیا میں اللہ تعالےٰ کا سب سے بڑا عذاب ہے آخرت کے عذاب کے متعلق تو اللہ تعالےٰ نے خبر دے دی ہے کہ منافق، جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

۳۔ وعن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ۔

ترجمہ: حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا اما بعد بہترین کلام اللہ کی کتاب (قرآن) ہے اور بہترین رستہ محمد رسول اللہ کا رستہ ہے اور بدترین کام دین میں نئی بات پیدا کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی کا سبب ہے"

کلام کئی قسم کی ہوتی ہے مثلاً کلام مفید۔ کلام مضر اور کلام عبث، آخری دونوں قسم کی باتوں کو ہر ذی ہوش آدمی برا سمجھتا ہے پہلی قسم یعنی کلام مفید میں مختلف درجے ہوتے ہیں جیسی علم، عقل اور تجربے کا آدمی ہو اس کی کلام میں اسی درجے کی افادیت ہوتی ہے اس لئے مفید کلام کرنے والے ایک سے ایک بڑھ کر پائے جاتے ہیں۔ لیکن انسان مخلوق ہے اس کی ہر صلاحیت ہر خوبی، مخلوق ہے اور محدود ہے اس لئے آدمی کے کلام میں افادیت بھی محدود ہی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالےٰ خالق ہے۔ اس کا علم اور اس کی ساری صفات غیر محدود ہیں اس لئے اس کے کلام میں بھی افادیت غیر محدود ہے۔

اللہ تعالےٰ نے مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں اپنے بندوں کو اللہ کا بندہ بن کر جینے کا ڈھنگ سکھانے کے لئے رسول بھیجے انہیں کتابیں دیں۔ ہر نبی کو جو کتاب ملی وہ کتاب ہدایت تھی اور وہ اللہ کا کلام تھا۔ اللہ تعالےٰ نے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول بنا کر بھیجا اور انہیں اپنا آخری کلام یعنی قرآن حکیم عطا فرمایا۔ جو بہترین کلام ہے حرف بہ حرف محفوظ ہے۔

اس کلام میں قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لئے بہترین تعلیمات ہیں۔ اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کامیاب اور پُرامن بنانے کے لئے بہترین ہدایات اور رہنما اصول موجود ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ کے ساتھ جن لوگوں کا قلبی تعلق ہے ان کے لئے اس کتاب کا پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا سب سے بڑی سعادت ہے، ایک عارف نے کہا ہے ؎

گر ہمی خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اللہ تعالےٰ کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں تک صرف اللہ کا یہ کلام پہنچایا ہی نہیں بلکہ اس کے الفاظ کا مطلب اور مفہوم بھی سمجھایا۔ پھر اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا ڈھنگ بھی سکھایا۔ اس کتاب کی روشنی میں حضور اکرمؐ نے عملی زندگی کی ایک راہ متعین کی۔ پھر ایک معاشرہ تیار کر کے بعد میں آنے والوں کے لئے نمونہ کے طور پر چھوڑا حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے اعلان فرما دیا کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کا جو راستہ دکھا کر اس پر چلنے والوں کا ایک معاشرہ تیار کیا وہی راستہ مستند (سٹینڈرڈ) ہے جو ان کے پیچھے چلے گا میں صرف اسی سے راضی ہونگا کیونکہ ہدایت کا بہترین راستہ وہی ہے جس پر محمد رسول اللہؐ نے اپنے سامنے اپنی تربیت سے تیار کردہ انسانوں کو چلا کر دکھا دیا۔

اب جسے اس راہ پر چلنا پسند نہ ہو وہ لازماً کوئی نئی راہ تیار کرے گا یا ڈھونڈے گا اس کے متعلق نبی کریمؐ نے فرمایا کہ یہ حرکت دنیا کا بدترین کام ہے۔

اس نئی راہ کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ محمد رسول اللہ کی راہ سے ہٹ کر اپنی پسند کی بالکل ہی نئی راہ نکال لی جائے ایسے لوگوں کا تو حضور اکرمؐ سے کوئی تعلق نہ رہا۔ دوسری صورت ذرا معصوم سی نظر آتی ہے وہ یہ راہ تو وہی ہے جو نبی کریمؐ نے تعین فرمائی۔ مگر آرائش یا لذت یا شو یا شان بنانے کے لئے اپنی پسند کی چھوٹی چھوٹی پچریں لگائی جائیں۔ اسکو بھی حضور اکرمؐ نے بدترین کام قرار دیا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ:

(۱) ایسا کرنے والے نے حضور اکرمؐ کی تعلیمات کو نامکمل سمجھا۔

۲۔ یا ناقص سمجھا اور اس نقص کو دور کرنا ضروری خیال کیا۔

۳۔ اسے حضور اکرمؐ کے خاتم الانبیاء ہونے میں شک ہے۔ ان میں سے کوئی بات بھی خواہ وہ زبان سے نہ کہے لیکن اس کے عمل سے یہ تینوں خطرے ظاہر ہوتے ہیں اس لئے حضور اکرمؐ نے اس بدترین کام سے روکنے کے لئے اپنے غلاموں کو مزید تاکید فرما دی کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔"

بدعت کا لفظ کا ایسا ہے کہ اس کے مفہوم میں بڑے گھپلے ہوتے ہیں بقول اکبر کے

غلط فہمی بہت ہے عالم الفاظ میں اکبر
بڑی مایوسیوں کے بعد آخر کام چلتا ہے

مختصر الفاظ میں بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بات، جو کام نبی کریم ؐ نے دین کا حصہ قرار نہیں دیا اسے جزو دین بنانا بدعت ہے بعض لوگ بدعت کے معنی ہر نئی بات لیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ پھر تو موٹر پر سوار ہونا بھی بدعت ہوا۔ حالانکہ موٹر پر سوار ہونا دین نہیں ہے اور جو سوار نہ ہو اسے دین سے خارج نہیں سمجھا جاتا اس لئے کوئی نئی بات پیدا کر کے اسے دین کا جزو بنا دینا پھر ستم یہ کہ جو شخص اس نئی چیز کو نبی کریم ؐ کی راہ سے الگ راہ سمجھے اسے دین سے خارج سمجھ لیا جاتا ہے۔ تو اس چیز کو حضور اکرم ؐ نے ایک کلیہ کے طور پر فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس گمراہی کی حقیقت یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ ڈاکٹر یا طبیب جب کسی بیماری کا نسخہ تجویز کرتا ہے تو دوا لینے کے لئے وقت بھی مقرر کرتا ہے دوا کی مقدار بھی بتاتا ہے اگر کوئی مریض وقت اور مقدار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوا کا استعمال کرے تو ہو سکتا ہے کہ وہی دوا اس کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔ مثلاً کشتہ ہیرا سب سے اعلیٰ ٹانک ہے مگر اس کی خوراک ارتی ہے اگر کوئی منچلا کہے کہ لاؤ ایک تولہ کھاتے ہیں پہلوان بن جائیں گے تو ظاہر ہے کہ وہی ٹانک اس کے انا للہ ہونے کا سبب بن جائے گا۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ایسا کامل ایسا کامل نسخہ ہے کہ ہر نسخے کے ساتھ وقت اور مقدار بھی مقرر ہے اگر کوئی شخص محبت کا نام لے کر اس نسخے کے اوقات میں یا مقدار میں اپنی پسند سے کوئی کمی بیشی کرے تو اس کی ہلاکت کا نام حضور اکرم ؐ نے گمراہی رکھا ہے۔

مثال کے طور پر نماز کو لیجئے حضور اکرم ؐ نے سکھایا کہ فجر کی نماز میں دو رکعت فرض پڑھو۔ اگر کوئی محبت کا مارا کہے کہ دو رکعت سے لطف نہیں آتا میں تو چار رکعت پڑھوں گا

تو نتیجہ یہ ہوگا تو اس کی دو رکعت بھی مردود تصور ہوں گی۔ کیونکہ اس نے کامل اکمل طبیب کے نسخے میں دوا کی مقدار میں اپنی پسند سے اضافہ کیا ہے۔

اس معصوم سی ہلاکت سے کے لئے حضور اکرم ؐ نے کلیہ کے طور پر فرمادیا کہ دین میں ہر نئی بات گمراہی ہے اور گمراہی کا سبب ہے۔

فیض الرحمٰن
اسلام آباد

فنا فی الرسول کا عملی نمونہ

سلسلۂ نقشبندیہ اُویسیہ کے تعارف میں لطائف ومراقبات کے ذیل میں درج ہے کہ سالک کی ظاہری و باطنی استعداد کو پرکھنے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر روحانی بیعت کرائی جاتی ہے جو بقول حضرت شیخ المکرم تمام جہان کے مرشد ہیں اس بیعت کے ساتھ ہی مراقبہ فنا فی الرسول ؐ کرایا جاتا ہے۔ اور سالک کے لئے بوقت بیعت یہ حقیقت واضح کی جاتی ہے کہ وہ عمر بھر اپنے اس مقدس عہد کو نبھاتے ہوئے سنتِ رسول ؐ کی پوری پوری پابندی کرے گا۔ وہ نہ صرف عبادات میں بلکہ عادات واطوار اور نجی معاملات میں بھی کتاب اللہ اور سنت رسول ؐ کا دامن کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اور جملہ احکام شریعت کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنائے گا۔ آگے ملفوظات شیخ میں لکھا ہے کہ اللہ اور رسول سے اس قدر محبت ہو۔ کہ سوئی کے نکے جتنی بھی نافرمانی نہ ہو۔ کمالات کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔ مہریں لگا دی گئی ہیں۔ جس نے کوئی کمال حاصل کرنا ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے ہوگا۔ اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا جو کچھ ملتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں سے ملے گا۔

ویسے تو ہر مسلمان کے لئے اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد ضروری ہے۔ لیکن ذاکرین حضرات کے لئے اتباع نبی ؐ کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ ذاکرین جن کو اللہ تعالے نے روحانی بیعت اور فنا فی الرسول ؐ جیسی نعمت عظمی سے نوازا ہو۔ اُن کا اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، نشست وبرخواست، خورد و نوش غرضیکہ دن رات کا ہر فعل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہونا چاہیئے جب اعمال کی یہ کیفیت ہو جائے گی تب تب وہ ذاکر صحیح معنوں میں فنا فی الرسول کا چلتا پھرتا نمونہ بن جائے گا علاوہ ازیں ایک مُردہ سنت کو زندہ کرنے کا ثواب سو شہیدوں کے برابر ہوتا ہے جب بندہ پوچھ پوچھ کر اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ہر کام کو سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کرے گا تو اس سے بعض افعال ایسے بھی ہونے کا امکان ہے جو مُردہ سنت کو زندہ کرنے کے

مترادف ہوں گے۔ لہذا سو شہیدوں کا ثواب الگ ملے گا۔ وضو اور نماز وغیرہ کا سنت طریقہ تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے یا کیا جا سکتا ہے لیکن جو سالک یہ نیت کرے۔ کہ آئندہ ہر کام سنت نبوی کے مطابق کیا کروں گا اس کو تمام تفاصیل ڈھونڈنے میں دشواری کا سامنا ہوگا۔ لہذا حضور کے روز مرّہ کے معمولات اور آپ کی پسند و ناپسند کی چند جزئیات کو مختصراً درج کیا جاتا ہے اللہ تعالے ہم سب کو حضورؐ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ۔

سر میں تیل لگانا اور کنگھی کرنا

۱۔ شیرازی نے القاب میں حضرت عائشہؓ سے بسند حسن لغیرہ[۱] روایت کی ہے۔ کہ آپؐ جب (سر میں) تیل لگاتے کا قصد فرماتے تو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں اس کو رکھتے۔ پھر بھوؤں سے لگانا شروع کرتے پھر دونوں آنکھوں پہ لگاتے پھر سر پر لگاتے ۔

۲۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرت استعمال سے ایسا ہوتا تھا۔ جیسے تیلی کا کپڑا ہو (شمائل ترمذی)

۳۔ عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرنے کو منع فرماتے تھے۔ مگر گاہے گاہے (شمائل ترمذی)

فائدہ: قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ گاہے گاہے سے مراد تیسرا دن ہے۔ ابو داؤد شریف میں ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روزانہ کنگھی کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت بطور کراہت تنزیہی کے ہے اور اس حالت کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب بالوں میں پراگندگی نہ ہو پراگندگی کی صورت میں روزانہ کنگھی کرنا مکروہ نہیں ہے کبھی کبھی بالوں میں کنگھا کرنا مستحب ہے ۔

۴۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وضو کرنے میں کنگھی کرنے میں، جوتا پہننے میں دائیں کو مقدم رکھتے تھے۔ یعنی پہلے دائیں

۱: اگر حدیث صفاتِ قبول میں سے اعلیٰ صفات پر مشتمل ہو تو وہ صحیح لذاتہ ہے۔ اور اگر اعلیٰ صفات پر مشتمل نہ ہو لیکن اس نقص کا ازالہ کسی دوسرے طریقے سے ہو گیا مثلاً متعدد کثیر سندوں سے مروی ہے یا علماءِ امت نے اس کو صحیح لذاتہ کی کی طرح قبولیت کا درجہ دیدیا ہو یا وہ کتاب اللہ کی کسی آیت سے واضح مطابقت رکھتی ہو یا دیگر اصول شریعت سے موافق ہو تو یہ صحیح لغیرہ کہلائے گی۔ اب اگر وہ صحیحیت کے اس درجہ کو بھی نہ پہنچی تو حسن لذاتہ کہلائے گی۔
اب اگر حدیث کے نقص صفات کا ازالہ تو نہ ہو سکا لیکن بعض خارجی قرائن ایسے حاصل ہو گئے جنکی بنا پر حدیث کی قبولیت کی جانب کو ترجیح حاصل ہو گئی تو یہ حدیث حسن لغیرہ کہلائے گی۔

جانب کنگھا کرتے۔ پھر بائیں جانب (شمائل ترمذی)

فائدہ: ان تین چیزوں کی جو حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ کچھ قید نہیں یہ ایک اصول ہے کہ جس چیز کا وجود زینت اور شرافت ہے۔ اس کے پہننے میں دایاں مقدم ہوتا ہے اور نکالنے میں بایاں جیسے کرتہ، پاجامہ، جوتا۔ وغیرہ۔ اور جس چیز کا وجود زینت نہیں، جیسے پاخانہ جانا اس میں جاتے وقت بایاں پاؤں مقدم ہونا چاہیئے اور نکلتے وقت دایاں، مسجد چونکہ بزرگی کی جگہ ہے اس میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں مقدم ہونا چاہیئے اور نکلتے وقت بایاں

آنکھوں میں سرمہ ڈالنا:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو۔ اس لئے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اُگاتا ہے حضرت ابن عباسؓ یہ بھی کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈالا کرتے تھے (شمائل ترمذی)

مسواک کرنا:

۱۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو رکعتیں مسواک کرکے پڑھنا اُن ستر رکعتوں سے افضل ہیں۔ جو مسواک کئے بغیر پڑھی جائیں (ترغیب وترہیب)

۲۔ حکیم ترمذی نے حضرت عبداللہ بن کعب سے نوادر الاصول میں بسند حسن روایت کی ہے کہ آپؐ جب مسواک کر چکتے۔ تو جو شخص بڑا ہوتا۔ اس کو عنایت فرماتے تھے اور جب کچھ پانی وغیرہ پیتے تو بچا ہوا اس شخص کو عنایت فرماتے جو آپؐ کی داہنی طرف ہوتا۔

خوشبو لگانا:

۱۔ ابن عساکرؒ نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرو اور حضرت قاسم بن محمدؒ سے بطریق مرسل صحیح روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ برتن لایا جاتا تھا جس میں خوشبو دار تیل ہوتا تو آپؐ اس تیل میں انگلیاں تر فرما لیتے پھر اس کو جہاں لگانا ہوتا ان انگلیوں سے استعمال فرماتے تھے۔

۲۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ تین چیزیں نہیں لوٹانی چاہیئں۔ تکیے اور تیل خوشبو اور دودھ۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: ان چیزوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ہدیہ دینے والے پر بار نہیں ہوتا۔ اور لوٹانے سے بعض اوقات اس کو رنج ہوتا ہے۔

۳۔ ابو نہدیؒ تابعی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ریحان دیا اس کو چاہیئے کہ لوٹائے نہیں اس لئے کہ (اس

کی اصل، جنت سے نکلی ہے (شمائل ترمذی)

لباس و پوشاک

۱- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب کپڑوں میں کرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے (شمائل ترمذی)

۲- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ تھی۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: علماء نے حدیث نمبر ایک اور دو کے تعارض کی مختلف توجیہیں کی ہیں سب سے سہل یہ ہے کہ پہننے کے کپڑوں میں کرتہ زیادہ پسند تھا۔ اور اوڑھنے کے کپڑوں میں چادر۔

۳- ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔ (شمائل ترمذی)

۴- سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو اس لئے کہ وہ زیادہ پاک صاف رہتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو (شمائل ترمذی)

۵- ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کپڑا پہنتے تو اظہار مسرت کے طور پر اس کا نام لیتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کرتہ مرحمت فرمایا ہے۔ ایسے ہی عمامہ چادر وغیرہ۔ پھر یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ (شمائل ترمذی)

۶- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صبح کو مکان سے باہر تشریف لے گئے، تو آپ کے بدن پر سیاہ بالوں کی چادر تھی (شمائل ترمذی)

۷- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی کپڑا پہنتے تو داہنی طرف سے شروع کرتے (یعنی کرتے کی داہنی آستین پہلے پہنتے) اور یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا أُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَأَتَجَمَّلُ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ اور جب کوئی کپڑا نکالتے تو پہلے بائیں جانب سے نکالتے۔

۸- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس کے بارے میں کوئی اہتمام و تکلف نہ تھا جو کپڑا، تہبند یا چادر یا کرتہ یا جبّہ وغیرہ مل گیا۔ اسی کو زیب تن فرما لیا (بخاری و مسلم من حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا)

۹- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رومی دا د قبا بلا جنگ اور جنگ میں استعمال فرماتے تھے (بخاری و مسلم من حدیث المسور بن مخرمة)

۱۰- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص مبارک کی گھنڈیاں اکثر لگی رہتی تھیں۔ بعض اوقات نماز و خارج نماز میں کھلی بھی رہتی تھیں (ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہ)

۱۱۔ بعض اوقات آپ صرف ایک بڑی چادر پہنتے تھے اور کوئی کپڑا اس کے نیچے نہ ہوتا تھا

۱۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دوہری چادر تھی۔ جس کو آپ استعمال فرماتے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ میں (خدا تعالیٰ کا) ایک بندہ ہوں۔ ایسا ہی لباس پہنتا ہوں جیسا غلام پہنا کرتا ہے (بخاری ومسلم من حدیث ابی بردہ)

۱۳۔ بعض اوقات آپ صرف ایک تہبند استعمال فرماتے تھے جسکی گرہ پشت پر دونوں شانوں کے درمیان لگاتے تھے (بخاری ومسلم)

۱۴۔ اور بعض اوقات آپ صرف ایک کپڑے میں نماز ادا فرماتے تھے۔ جس کو تہبند کے طور پر باندھ کر بچے ہوئے حصہ کا ایک گوشہ بطور چادر استعمال فرماتے تھے۔ اور دوسرا گوشہ بعض ازواج مطہرات پر ڈال دیتے تھے (ابوداؤد من حدیث عائشہ رض)

۱۵۔ سلمہ بن اکوع رض کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رض لنگی نصف ساق تک رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی ہیئت تھی میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کی (شمائل ترمذی)

فائدہ: لنگی اور پاجامہ وغیرہ کے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی بہت سخت وعیدیں آئی ہیں ٹخنوں سے نیچے جتنے حصے پر کپڑا لٹکتا ہے وہ آگ میں جلایا جائے گا۔

۱۶۔ عبدالرحمن رض کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رض سے لنگی کے بارے میں استفسار کیا وہ فرمانے لگے۔ کہ تم نے بڑے واقف سے سوال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کی لنگی آدھی پنڈلی تک ہونی چاہیئے۔ اور اس کے نیچے ٹخنوں تک بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن ٹخنوں سے نیچے جتنے حصہ پر لنگی لٹکے گی وہ آگ میں جلے گا۔ اور جو شخص متکبرانہ کپڑے کو لٹکائے گا قیامت میں حق تعالیٰ شانہ اس کی طرف نظر نہیں کریں گے (ابوداؤد)

۱۷۔ مناوی نے حضرت ابن عباس رض سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا نہ اس کی آستینیں لمبی ہوتی تھیں دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رض سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔

فائدہ: علامہ جزری نے لکھا ہے کہ کرتہ کی آستین میں سنت یہ ہے کہ پہونچے تک ہو۔ اور کرتہ کے علاوہ چوغہ وغیرہ میں پہنچے تک لیکن انگلیوں سے متجاوز نہ ہو۔

بستر و تکیہ اور سونے کا طریقہ:

۱۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بسند حسن حضرت عائشہ رض سے روایت کی ہے کہ آپ کا تکیہ چمڑے کا تھا جس میں خرما کے درخت کی چھال بھری تھی۔

۲۔ طبرانی نے حضرت حفصہ رض سے روایت کی ہے کہ آپ

جب سونے کو لیٹتے تھے تو اپنے داہنے ہاتھ
کو داہنے رُخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بستر تھا
چمڑے کا جس میں کھجور کا گودہ بھرا ہوا تھا
(بخاری و مسلم)

۴۔ حذیفہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر
پر لیٹتے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی
پڑھتے تھے۔ اور جب جاگتے تو یہ دعاء پڑھتے
تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا
اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ (شمائل ترمذی)

۵۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب جب بستر پر لیٹتے
تھے تو دونوں ہاتھوں کو دُعاء مانگنے کی طرح
مِلا کر اُن پر دم فرماتے اور سورۂ اخلاص اور
معوذتین (فلق اور والناس) پڑھ کر تمام
بدن پر سر سے پاؤں تک جہاں جہاں ہاتھ
جاتا، ہاتھ پھیر لیا کرتے تھے تین مرتبہ ایسے
ہی کرتے سر سے ابتداء فرماتے۔ اور پھر منہ
اور بدن کا اگلا حصہ پھر بقیہ بدن پر (شمائل ترمذی)

۶۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ
دعاء پڑھتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ
سَقَانَا وَکَفَانَا وَاٰوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا
کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ (شمائل ترمذی)

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے کے
وقت مختلف دُعائیں پڑھنا ثابت ہے
ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی
کوئی سورۃ سوتے ہوئے پڑھے اللہ تعالیٰ کی
طرف سے ایک فرشتہ حفاظت کے لئے مقرر کر دیا
جاتا ہے آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی اخیر دو آیتوں
کا پڑھنا وارد ہے۔ ایک صحابی کو آپؐ نے فرمایا کہ
قل یاایھا الکٰفرون پڑھ کر سویا کرو (فتح الباری)

۷۔ امام محمد باقرؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے کسی
نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا بستر کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ چمڑہ کا تھا
جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری
ہوئی تھی۔ حضرت حفصہؓ سے کسی نے پوچھا کہ
آپ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا
تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس
کو ہم دوہرا کر کے حضورؐ کے نیچے بچھا دیا کرتے
تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا۔ کہ اگر اس کو چوہرا کر کے
بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے گا میں نے
ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
صبح کو دریافت کیا کہ میرے نیچے رات کو کیا چیز بچھائی
تھی؟ میں نے عرض کیا کہ وہی روزمرّہ کا بستر تھا
رات کو اس کو چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس کو پہلے
پہلے ہی حال پر رہنے دو اس کی نرمی رات کو مجھے
تہجد سے مانع ہوئی (شمائل ترمذی)

ٹوپی و عمامہ:

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے نیچے اور بغیر عمامہ کے کبھی ٹوپی استعمال فرماتے تھے (طبرانی والبیہقی من حدیث ابن عمرؓ)

۲- بعض اوقات عمامہ نہ ہوتا - تو سر مبارک اور پیشانی پر ایک عصابہ باندھتے تھے (یعنی پٹی کی طرح ایک چھوٹا کپڑا (بخاری من حدیث ابن عباسؓ)

۳- عمرو بن حریثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک پر سیاہ عمامہ دیکھا (شمائل ترمذی)

فائدہ: مسلم شریف اور نسائی میں ہے - کہ عمرو بن حریثؓ کہتے ہیں کہ وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے سیاہ عمامہ آپؐ کے سر مبارک پر تھا اور اُس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان تھا -

نشست کا انداز

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف رکھتے تھے، تو گوٹ مار کر تشریف رکھتے تھے (شمائل ترمذی)

فائدہ: گوٹ مار بیٹھنا یہ ہوتا ہے کہ دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھے اور دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں پر حلقہ کرے بسا اوقات بجائے ہاتھوں کے کپڑا لنگی، عمامہ وغیرہ اس طرح لپیٹا جاتا ہے - کہ کمر اور پنڈلیوں پر بیٹ جائے - یہ ہیئت تواضع اور مسکنت کی نشست ہے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر ایسے ہی تشریف رکھتے تھے اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی لیکن یہ مقصود نہیں کہ ہمیشہ ایسے ہی تشریف فرما ہوتے تھے -

خورد و نوش:

۱- کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی - اور اُن کو چاٹ بھی لیا کرتے تھے (شمائل ترمذی)

فائدہ: امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ چوتھی یا پانچویں انگلی بلا ضرورت شامل نہ کرے البتہ اگر ضرورت ہو یعنی کوئی ایسی چیز ہو جس کو تین انگلیوں سے کھانے سے کھانا حرص کی علامت ہے، بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ پہلے بیچ کی انگلی چاٹتے تھے - پھر انگشتِ شہادت اور اس کے بعد انگوٹھا انہی تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا جاتا

۲- ابن عباسؓ فرماتے ہیں - کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والے کئی کئی رات پے در پے بھوکے گذار دیتے تھے کہ رات کو کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا اور اکثر غذا آپکی جو کی روٹی ہوتی تھی اگو کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی مل جاتی تھی (شمائل ترمذی)

۳- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر میں کبھی جو کی روٹی سے بھی

دو دن پے در پے پیٹ نہیں بھرا (شمائل ترمذی)

۴۔ حضرت انس رضہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا نہ چھوٹی طشتریوں میں نوش فرمایا۔ نہ آپکے لئے کبھی چپاتی لپکائی گئی، یونس کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ رضہ سے پوچھا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دستر خوان پر (شمائل ترمذی)

۵۔ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ سرکہ بھی کیا اچھا سالن ہے (شمائل ترمذی)

۶۔ حضرت عمر رضہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو۔ اس لئے کہ وہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے (شمائل ترمذی)

۷۔ حضرت انس رضہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک درزی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مرتبہ دعوت کی۔ میں بھی آپ کے ساتھ حاضر ہوا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو گوشت کا شوربا پیش کیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ پیالہ کے سب جانبوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما کر نوش فرما رہے تھے۔ اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہو گیا (شمائل ترمذی)

۸۔ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور شہد پسند تھا (شمائل ترمذی)

فائدہ: بعض لوگوں نے میٹھے کا مطلب متعارف حلوا مراد لیا ہے۔ کہتے ہیں سب سے پہلے حضرت عثمان رضہ نے حلوا بنوا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اور حضور نے اس کو پسند فرمایا۔ یہ حلوا آٹے۔ شہد اور گھی سے بنایا گیا تھا۔

۹۔ عبداللہ بن حارث رضہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس کے ساتھ بھنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا (شمائل ترمذی)

۱۰۔ حضرت ابن مسعود رضہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس کو ذراع یعنی دست کا گوشت مرغوب تھا اور اسی میں آپ کو زہر دیا گیا۔ گمان یہ ہے کہ یہود نے زہر دیا تھا۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ منہ میں رکھا نگلنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ یا کچھ نگل بھی لیا تھا کہ اسکو تھوک دیا اور ارشاد فرمایا کہ اس گوشت نے مجھے اطلاع دی ہے۔

۱۱۔ عبداللہ بن جعفر رضہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے (شمائل ترمذی)

۱۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ رضہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے (شمائل ترمذی)

فائدہ: ثرید شوربے میں بھگوئے ہوئے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ جن میں علاوہ لذت وقوت کے سہولت وسرعت ہضم، جلد تیار ہوجانا وغیرہ وغیرہ منافع ہیں عرب میں اس کا دستور تھا اور سب کھانوں میں افضل شمار ہوتا تھا۔

۱۳۔ حضرت یوسف رض کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ دیکھا کہ آپ ؐ نے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر اس پر کھجور رکھی اور فرمایا کہ یہ اس کا سالن ہے۔ اور نوش فرمایا (شمائل ترمذی)

۱۴۔ حضرت انس رض نے فرمایا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو ہانڈی اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا (شمائل ترمذی)

۱۵۔ حضرت سلمان فارسی رض کہتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ دھونا) برکت کا سبب ہے میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون عرض کیا۔ تو آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے (شمائل ترمذی)

۱۶۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ص نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آجائے بسم اللہ اولہ وآخرہ کہہ لے (شمائل ترمذی)

۱۷۔ عمر بن ابی سلمۃ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ؐ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ ؐ نے فرمایا بیٹا قریب ہوجاؤ۔ اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اپنے قریب سے کھانا شروع کرو (ایضاً)

۱۸۔ عبد اللہ بن جعفر رض کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو تازہ کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے (شمائل ترمذی)

۱۹۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تازہ کھجوروں کے ساتھ نوش فرماتے تھے (شمائل ترمذی)

۲۰۔ حضرت انس رض کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خربوزہ اور کھجور اکٹھے کھاتے ہوئے دیکھا (شمائل ترمذی)

۲۱۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کی سب چیزوں میں میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی (شمائل ترمذی)

فائدہ: میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا خاص اہتمام تھا۔ سقیا جو مدینہ طیبہ سے کئی میل پر ہے وہاں سے میٹھا پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لایا جاتا تھا۔

۲۲- عمرو بن شعیبؓ اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا (شمائل ترمذی)

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں علماء کی رائے یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام نہیں البتہ خلافِ اولیٰ اور مکروہ ہے آبِ زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے

۲۳- حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقہ سے پینا زیادہ خوشگوار ہے اور خوب سیراب کرنے والا ہے (ترمذی)

۲۴- حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا فرماتے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین (ایضاً)

۲۵- ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ غیر مودّع ولا مستغنیً عنہ ربنا۔

۲۶- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی کو دودھ عطا فرمائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیئے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ

۲۷- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ گرم کھانا نہ کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ زیادہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی۔ اس لئے چاہیئے کہ کھانے کو کچھ ٹھنڈا کر لیا جائے (بیہقی عن ابی ہریرہؓ)

۲۸- آپؐ کا اکثر کھانا کھجور اور پانی ہوتا (بخاری عن عائشہؓ)

۲۹- آپؐ کھجور کو دودھ کے ساتھ جمع فرماتے اور ان کا نام اطیبین رکھتے تھے۔ اور آپ کا سب سے زیادہ مرغوب کھانا گوشت تھا فرماتے تھے کہ گوشت قوتِ سامعہ کو بڑھاتا ہے اور گوشت دنیا اور آخرت میں سیّد الطعام ہے اور اگر میں اپنے رب سے دعا کرتا کہ مجھے روزانہ گوشت عطا فرمائیں تو ضرور عطا فرماتے (ابن حبان)

۳۰- آپؐ (کبھی) روٹی گھی کے ساتھ بھی تناول فرماتے تھے (بخاری ومسلم تخریج)

۳۱- آپ لہسن، پیاز، کراث (گندنا) تناول نہ فرماتے تھے (مالک فی الموطا)

۳۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو بُرا نہیں کہا بلکہ (عادت یہ تھی) کہ اگر پسند آیا کھالیا

ناپسند ہُوا ترک کر دیا اور جس کھانے سے خود اپنے کو طبعی نفرت نہیں ہوتی تو دوسروں کے لئے اس کو مبغوض و مکروہ نہیں ٹھہرایا (من حدیث مستفادہ)

۳۳۔ ترکاریوں میں آپ کو تندبا (کاسنی) یا ذروج اور خرفہ پسند تھا (ابو نعیم فی الطب النبوی)

اخلاق اور اندازِ گفتگو:

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے (شمائل ترمذی)

۲۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (بعض مرتبہ) کلام کو (حسب ضرورت) تین مرتبہ دُہراتے تھے تاکہ آپ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں (شمائل ترمذی)

۳۔ حضرت علیؓ نے حضرت حسینؓ سے فرمایا (ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے) کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں میں منقسم فرماتے تھے ایک حصہ حق تعالیٰ شانہ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے مثلاً اُن سے ہنسنا، بولنا، بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات اور راحت و آرام کے لئے رکھتے تھے پھر اس اپنے والے حصّہ کو بھی دو حصوں میں اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے اس طرح پر کہ مخصوص حضرات صحابہ کرامؓ اس وقت میں داخل ہوتے۔ اُن خواص کے ذریعے سے مضامین عوام تک پہنچتے۔ آپؐ کی محفل میں ضروری اور مفید باتوں کا ہی تذکرہ ہوتا تھا۔ لایعنی اور فضول باتیں آپؐ کی مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ ضروری اُمور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے ہر امر اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے ہر کام کے لئے آپؐ کے ہاں ایک خاص انتظام تھا امرِ حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپؐ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جس کی خیر خواہی عام ہو۔ یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔ آپؐ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی آپؐ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرا سب سے زیادہ اکرام

فرما رہے ہیں۔ آپؐ کی مجلس مجلسِ علم و حیاء اور صبر و امانت تھی۔ نہ اس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت و آبرو اُتاری جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شمار کئے جاتے تھے، ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی (شمائل ترمذی)

۴۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تالیف قلوب کے خیال سے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی توجہ اور خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے۔ چنانچہ خود میری طرف بھی حضورؐ کی توجہاتِ عالیہ اور کلام کا رُخ بہت زیادہ رہتا تھا۔ حتیٰ کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال سے ایک دن دریافت کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں افضل ہوں یا ابو بکرؓ۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عمرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں، یا عثمانؓ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ جب میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھود کھود کر پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا رعایت صحیح صحیح فرما دیا (مجھے اپنی اس حرکت پر بعد میں ندامت ہوئی) اور خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہیئے تھی (شمائل ترمذی)

گذران اوقات:

۱۔ لقمان بن بشیر کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک نہیں ہو۔ حالانکہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ کہ آپؐ کے یہاں روٹی کھجوریں بھی پیٹ بھر نہیں تھیں (شمائل ترمذی)

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال وہ ہیں کہ ایک ایک ماہ تک ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی صرف کھجور اور پانی پر گذارا تھا۔ (شمائل ترمذی)

(باقی آئندہ انشاء اللہ)

(اسیلانی)

دیکھتا چلا گیا

۱- ایک خبر :- "محب اللہ اور ہدایت اللہ کو منشیات کی سمگلنگ کے جرم میں . . . . سال سزا سنائی گئی "

نام دیکھو اور کام دیکھو - اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نام کا اثر انسان کی شخصیت اور سیرت و کردار پہ ضرور پڑتا ہے اور یہ باہم بالکل متحد ہو جائیں تو کہا جاتا کہ فلاں شخص کو دیکھو اسم بامسمیٰ ہے ، تو پھر اللہ کے عاشقوں کی سیرت اور شخصیت کا جو نقشہ چشم تصور کے سامنے آتا ہے - اس سے تو ہزار بار پناہ مانگنے کو جی چاہتا ہے - کیا اللہ کی محبت کا یہ تقاضا ہے - کہ آدمی سمگلنگ کرے اور بھی منشیات کی جیسے پنجابی کی مثل ہے -

" اگے ڈھن پلیت - اتوں کتیاں موتریا " کاش محب اللہ نے اپنا یہ دھندہ شروع کرتے وقت اپنا نام ہی بدل لیا ہوتا - مگر محب اللہ تو موجودہ مسلمان معاشرے کا مظہر ہے - اس کی نمائندگی کرتا ہے - آج ہمارے اسلامی معاشرے میں پوری ڈھٹائی سے ہر برائی کا ارتکاب کرتے رہنے کے باوجود اللہ کی محبت کے دعوے اور نعرے فضا میں گونجتے پھرتے ہیں -

ہدایت اللہ نے تو ہدایت کا معیار اور ہدایت کی علامت قائم کر کے رکھ دی - کیا اللہ کی ہدایت کے یہی نمونے ہوتے ہیں ؟ مگر یہاں سوسائٹی کا چلن ہی یہ بن چکا ہے کہ مسلمہ گمراہی کو عین ہدایت سمجھا جاتا ہے - بلکہ دوسروں کو اس کے ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے -

سچ تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں نام رکھنے کا فلسفہ ہی نرالا ہے - مثلاً آپ نے

دیکھا ہوگا کہ لاہور جاتے ہوئے ایک مقام ایسا آتا ہے، کو تعفن اور بد بو سے سر چکرانے لگتا ہے - کوئی چار پانچ میل کے بعد نہایت جلی حروف میں ایک تحریر سامنے آتی ہے -" فردوس ٹینریز" - اب اگر کوئی پوچھے کہ اس متعفن ماحول کو " فردوس" سے کیا نسبت؟ عین ممکن ہے کہ اس نام کے رکھنے میں یہ اصول کارفرما ہو، کہ مادہ پرست کی فردوس "مال دولت ہے" اور یہ جگہ مال و دولت پیدا کرنے کا بہترین مقام ہے لہذا مادہ پرست کی جنت یہی ہے -

اسی طرح ایک بڑا محبوب نام آج کل بہت رائج ہو چکا ہے - اور وہ ہے "پرویز" یعنی ایک مسلمان اور نام رکھے پرویز کوئی تک ہے پرویز وہ تھا جس نے نبی کریم کے نامۂ مبارک کو چاک کرکے اس کے پرزے پرزے کئے پھر ان پرزوں کو پاؤں تلے روندا اور حضور اکرم کی شان میں نہایت گستاخانہ کلمات کہے - محمد رسول اللہ کے غلاموں کو اس کے نام سے الفت ہے کیونکہ اس سے رسول کی دشمنی کی یاد تازہ رہتی ہے - یعنی رسول کا دشمن، مسلمان کو پیارا لگے - ہے کوئی جوڑ اس میں -

کوئی بیس برس پہلے کی بات ہے ایک نوجوان کھرڈ ایر میں داخلہ کے لئے آیا - پوچھا نام کیا ہے کہا محمد پرویز احمد - حیرت ہوئی اور کہا کیا عجیب جوڑ لگا یا ہے جوان تھا نئی روشنی کا شاہکار کہنے لگا " نام میں کیا رکھا ہے" کہا کہ اگر نام میں کچھ نہیں رکھا تو اپنا نام ابلیس رکھ لو - بیچارہ خاموش ہوگیا - مگر اب تک ہے وہی "محمد پرویز احمد" ہی -

حضور اکرم نے اچھا نام رکھنے کی تلقین فرمائی - ماں باپ کا فرض ہے کہ اچھے نام رکھنے کی لاج رکھنے کی تدبیر اختیار کرنے کی فکر بھی کیا کریں -

۲- سنہ ۱۹۵۰ء کی بات ہے - گھر کے قریب گلی سے کوئی بھکاری گزرا اور بڑی سُریلی آواز میں گاتا جا رہا تھا - ع

ابھی اسلام زندہ ہے مگر قرآن باقی ہے

میں لفظ "مگر" سنکر تعجب سے گہری سوچ میں پڑ گیا - طرح طرح کے سوالات پیدا ہونے لگے - مثلاً

۱- کیا اسلام اور قرآن ایک دوسرے کی ضد ہیں -

۲- کیا اسلام کا نصب العین یہی ہے کہ قرآن باقی نہ رہے؟

۳- کیا قرآن کا موجود ہونا اسلام کی موت کے مترادف ہے۔

۴- کیا یہ اسلام کو جھنجھوڑنے کی کوشش نہیں کہ قرآن کو کیوں باقی رہنے دیا ہے۔

طویل سوچ کے بعد یہی سمجھا کہ بھکاری بیچارہ جاہل ہوگا اسے الفاظ اور معانی سے کیا کیا واسطہ اسے تو اپنی سُریلی آواز اور موسیقی سے سننے والوں کو متاثر کرنا ہے تاکہ ان کے ہاتھ ان کی جیبوں کی طرف بڑھیں۔ واپس آکر اس کی جیب کے بھرنے کا سبب بنیں۔

ایک بھکاری کیا۔ قوم ہی گانے کی رسیا بن گئی ہے۔ الفاظ و معانی سے بحث نہیں الفاظ لچر ہوں، بے معنی ہوں۔ شرافت سے گرے ہوتے ہوں، کچھ ہوں، بس آواز سُریلی ہو، خواہ یہی گاتا رہے۔ ع

سارے جگ وچ چانن تیرا شابا نیں ماں دیئے موم بتیئے

بہرحال لفظ مگر کو بھکاری کی نادانی کی حرکت سمجھ کر بات کو بھلا دیا۔ مگر عجیب بات ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ آواز پھر کانوں میں گونج جاتی حتیٰ کہ ۳۲ برس بعد یہ عقدہ کھلا۔ کہ بھکاری کی حسِ شاید بیدار تھی اور اس نے پیش گوئی کے رنگ میں کہہ دیا کہ ایسا وقت آنے والا ہے کہ خود مسلمان کہلانے والے اسلام کو زندہ رکھنے کے دعوے کے ساتھ قرآن کو نابود کرنے اور قرآن سے انحراف اور انکار کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔ واقعی جلوسی بیگمات کے منظم جلوس کی خبر پڑھ کر بھکاری کی صدا بڑے زور سے گونج اٹھی ؎

ابھی اسلام زندہ ہے مگر قرآن باقی ہے

ماہنامہ المرشد کا سالانہ چندہ
۳۵/۰ روپے ہے

اور بیرونِ ملک ۱۰۰/۰ روپے ہے

پروفیسر حافظ محمد شریف

اُستاذ العلماء، محبوب المسلمین

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ،

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ درخت کی پہچان اس کے پھل سے ہوتی ہے، استاد کی عظمت کا اندازہ اس کے شاگردوں سے لگایا جاتا ہے اور شیخ و مرشد کی شخصیت، تعلیم وتربیت کی جھلک اُسکے مریدوں اور متوسلین میں نظر آتی ہے یہ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضور صلی اللہ وسلم جیسا کامل و اکمل نہ تو آج تک کوئی معلّم و مربّی ہوا ہے نہ ہی حضرات صحابہ کرامؓ جیسا کامل شاگرد اس عالم رنگ وبو میں پیدا ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا انتہائی درخشاں پہلو، سیرت سازی بھی ہے جس کا اعتراف غیر مسلم دانشور بھی کیے بغیر نہ رہ سکے آپ نے ۲۳ سالوں میں ایسے عظیم انسان تیار کیے جس کی مثال رہتی دنیا تک کبھی نہ ملے گی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر، صحبت تعلیم و تربیت سے ایسے جان نثار ساتھی عظیم مدبر و حاکم، منصف مزاج و عادل جج خدارسیدہ، صوفی و درویش، اعلیٰ منتظم، بہادر سپاہی اور عظیم سپہ سالار پیدا ہوئے جو ہمیشہ روشنی کے جگمگاتے ہوئے مینار رہیں گے آپ نے بجا طور پر فرمایا تھا۔ کہ۔ اصحابی کالنجوم "یعنی میرے صحابہؓ ان رفیع الشان اور بلند ستاروں کی طرح ہیں ہر دور میں بھٹکے ہوئے راہیوں کو نشان منزل کا پتہ دیتے رہیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابہؓ میں سے حضرت ابوہریرہ رضؓ ایک ایسے عظیم المرتبت صحابی ہیں جن کی قابل رشک زندگی آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ قبل از اسلام آپ کا نام عبدالشمس تھا۔ مگر نور ایمان کی دولت سے جونہی مزین ہوئے آپ کا اسم گرامی

عبد الرحمٰن رکھدیا گیا اور آپ کو دربار نبوی میں سب سے زیادہ حاضر باشی کا شرف حاصل ہوا۔ صحبت نبوی سے آپ نے اس قدر اکتساب فیض کیا کہ بقول علامہ ابن حزمؒ ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے پانچ ہزار تین صد روایات مروی ہیں۔ نیز صحابہ و تابعین میں سے قریباً ۹ سو اشخاص کو آپ نے علم حدیث پڑھایا اور اس طرح آپ استاذ العلماء کہلائے احادیث کے کثیر ذخیرہ کے باوجود آپ کو احادیث اور روایات پر پورا پورا ضبط تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے آپ کو شرح صدر اور اعلیٰ قوت حافظہ جیسی نعمتوں سے نوازا گیا تھا۔ چنانچہ امر واقعہ ہے کہ حاکم مدینہ (مروان) نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ سے کچھ احادیث لکھوائیں۔ ایک برس گزر جانے کے بعد حاکم مدینہ نے ایک دفعہ پھر حضرت ابوہریرہؓ سے اسی ذخیرہ احادیث کو سنانے کی درخواست کی آپ نے تمام احادیث کو دوبارہ جو بلحاظ روایت مضمون و ترتیب گذشتہ سال کی تحریر کے مطابق تھیں سنادیں

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کو حدیث رسول سے بے پناہ عشق تھا آپ سے اتنی کثرت سے احادیث نقل ہیں کہ کسی دوسرے صحابی سے اتنی زیادہ احادیث روایت نہیں کی گئیں حالانکہ آپ ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور ۱۱ھ میں حضور کا وصال ہو گیا اتنی قلیل مدت یعنی چار برس میں آپ نے احادیث کا یہ ذخیرہ روایت کیا اور ان کو حفظ بھی کیا۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا پھر بھی ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حافظہ کے لئے دعاء کی درخواست کی چنانچہ آنحضورؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ایک چادر میں کچھ اشارہ کیا پھر حکم ہوا کہ اس چادر کو سینہ سے ملالے انہوں نے اپنے سینہ سے ملالیا اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

حضرت ابوہریرہؓ نہ صرف استاذ العلماء فی الحدیث تھے بلکہ وہ اسلامی قانون میں بھی اعلیٰ مہارت رکھتے تھے اسی وجہ سے انہیں (معذرت کے باوجود) بحرین کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ خوف خدا اور فکر آخرت کا یہ حال تھا کہ جب انہیں دوسری مرتبہ بحرین کا گورنر مقرر کیا گیا تو معذرت کرتے ہوئے دو باتیں فرمائیں۔

اول یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہہ نہ دوں

دوم: یہ کہ بے موقع و محل کچھ حکم چلا دوں یا کوئی غلط فیصلہ کر دوں — اور اس طرح اللہ کی گرفت میں نہ آجاؤں۔

کاش! کہ آج کے دور کے مسلمان حاکم کوئی فیصلہ صادر کرنے سے قبل محاسبہ اُخروی کا خیال رکھیں اور اپنے اندر خوفِ خدا و فکرِ آخرت کا جذبہ پیدا کر سکیں۔

تاہم — معذرت کے باوجود۔ گورنری کا بارِ گراں حضرت ابوہریرہؓ کے کندھوں کا رکھدیا

گیا مگر ذرا "گورنر صاحب" کی اس زندگی اور ان کی شب و روز کی مصروفیات ملاحظہ ہوں۔ دن بھر آپ عوام کی فلاح اور بہبودی اور خدمت خلق کے کاموں میں مصروف رہتے اور حق و انصاف سے اسلامی نظام عدل کی روشنی میں فیصلے صادر فرماتے۔ حق داروں اور مظلوموں کی داد رسی فرماتے اور دن بھر اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری میں مصروف رہتے جبکہ رات کو عبادت الٰہی میں بسر کرتے۔ آپ نے گھر میں رات حصوں میں تقسیم کر رکھی تھی۔ ایک تہائی رات آپ خود عبادت اور ذکر و فکر میں گزارتے، دوسرے حصہ رات میں ان کی زوجہ محترمہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتیں اور رات کے تیسرے حصے میں ان کے خادم عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ایسے ہی خاصان خدا کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔

یعنی بہ الفاظ دیگر حضرت ابوہریرہؓ کا گورنر ہاؤس ساری رات انوارِ الٰہی اور رحمتِ الٰہی سے منوّر رہتا۔ ابو نعیم میں روایت ہے کہ حضرت ابو عثمان نہدی رحمہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہؓ کا سات رات تک مہمان رہا اور میں نے دیکھا کہ حضرت ابوہریرہؓ ان کی اہلیہ اور ان کا خادم ایک دوسرے کے بعد تہائی تہائی رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔

الغرض حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور پیارے صحابہ میں سے ایک ہیں۔ جن کی بعد از اسلام زندگی ہر لحاظ سے قابل رشک اور مثالی ہے۔ روایت حدیث میں ان کی شب و روز کی محنت اور جذبۂ صادق کی بدولت احادیث کا ایک کثیر سرمایہ محفوظ ہے اور ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دیتا ہے۔

ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اگر آپ نے

المرشد کا سالانہ چندہ صرف ۳۵/۔ روپے ادا

نہیں فرمایا تو

پہلی فرصت میں اپنا سالانہ چندہ دفتر المرشد میں

ارسال فرما کر

شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں

(مدیر)

(ابو سعید)

اِحتسابُ

احتساب کا عمل فرد اور معاشرہ دونوں کے لئے صرف مفید ہی نہیں بلکہ نہایت ضروری ہے جبھی تو ایک بہت بڑے دانا نے بڑی تاکید سے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ حاسبوا قبل ان تحاسبوا یعنی قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے تم اپنا محاسبہ خود کرلو۔

خوشی کا مقام ہے کہ ہماری اسلامی حکومت نے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے محتسب اعلیٰ کا تقرر کردیا۔ اللہ تعالےٰ اس اقدام کو بابرکت بنائے یہ اقدام تحاسبوا کا تقاضا پورا کرنے کی ایک صورت ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر پہلے غفلت ہوئی تو اب لازماً حاسبوا کا عمل شروع ہو جانا چاہیئے سوال یہ ہے کہ اس کی ابتدا کیسے ہو، ترتیب کیا ہو اور اس کا طریقہ کونسا ہو۔

اس سلسلے میں ہمیں اپنے ایک جذباتی نعرے "نظام مصطفےٰ" کی صحیح تعبیر اور عملی تشریح پر اپنی توجہ مرکوز کرلینی چاہیئے۔ اس کی تفصیل کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ جس 'مصطفیٰ' کا نظام ہم رائج کرنا چاہتے ہیں وہ کون ہے اس کا ہمارے ساتھ کیا تعلق ہے اور اس کے ساتھ ہمارے تعلق کی صورت کیا ہے

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس کا ہمارے ساتھ جو تعلق ہے کیا اس نے اس تعلق کو قائم رکھنے کے تقاضے پورے کئے ہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہمارا جو تعلق ہے اس کو قائم رکھنے کے لیے ہم نے کیا کیا ہے۔

سب سے پہلی بات کہ وہ کون ہے؟ یہ ایک ایسی جانی پہچانی حقیقت ہے کہ کوئی مسلمان

اس سے ناواقف نہیں ۔ بلکہ ہر حال میں اس کی تعریف میں رطب اللسان رہنا عبادت سے کم نہیں سمجھتا ۔ اور امر واقع یہ ہے کہ وہ اتنا قابل تعریف ہے کہ آج تک مخلوق میں سے اس سے بڑھ کر کسی کی تعریف نہیں کی گئی ۔ حتیٰ کہ تعریف کرنے والوں نے یہ محسوس کر کے کہ اس کی تعریف کما حقہٗ ادا کرنا ہمارے بس سے باہر ہے یہ کہہ دیا کہ

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بلکہ ایک باہمت ثنا خواں نے تو ثنا کا رُخ اس کی طرف پھیر دیا جس سے بڑھ کر کوئی جان سکتا ہی نہیں ہے

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

اور اس مرتبہ دان نے اس کی تعریف میں اپنی ایک پوری کتاب اور آخری کتاب دستاویزی ثبوت کے طور پر نازل فرمادی جبھی تو ایک دانائے راز نے کہہ دیا تھا کہ کان خُلُقہُ القرآن ۔ اس لئے مخلوق اس کی تعریف کیا کرے گی ۔ جتنی بھی کرے گی وہ اس کے کمال کے سمندر سے ایک قطرے کی تعریف سے زیادہ کیا ہوگا ۔

دوسری بات کہ اس کا تعلق ہمارے ساتھ کیا ہے ۔ تو اس تعلق اور اس کے نباہ کا ثبوت خود خالق نے واضح کر دیا ۔ اس کی تین صورتیں ہیں

اول پوری کائنات کے ساتھ اس کا تعلق تو اس کے جواب میں خالق نے اعلان کر دیا

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین

دوم ۔ اشرف المخلوق میں سے ان انسانوں کے ساتھ اس کا تعلق جو اسے پہچانتے نہیں یا اسے معاذ اللہ دشمن سمجھتے ہیں ۔ تو اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "عزیز" علیہ ما عنتم حریص علیکم یعنی دکھ تمہیں ہوتا ہے اور چوٹ اس کے دل پر پڑتی ہے اور تمہاری ہر طرح کی بہتری، بہبودی اور بھلائی کی فکر میں گھلا جاتا ہے اور خود اس نے بھی واضح طور پر بتا دیا کہ میری اور تمہاری حیثیت یہ ہے کہ جیسے گھپ اندھیری رات ہو کوئی شخص روشنی کے لئے آگ جلائے اور چاروں طرف سے پروانے لپک لپک کر اس آگ میں جلنے لگیں اور وہ کھڑا اپنے دونوں ہاتھوں سے انہیں آگ میں گرنے سے روک رہا ہو، بس تمہاری حالت یہ ہے کہ تم جہنم کی آگ کی طرف دوڑ دوڑ کے جا رہے ہو اور میں تمہیں اس سے بچانے کی ہر صورت اختیار کر رہا ہوں ۔

سوم ان انسانوں سے تعلق جو اس سے واقف ہیں اور جنہوں نے آزاد مرضی سے اس کے ساتھ پیمان وفا باندھتے ہوئے کہ عہد کیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ تو اس کے متعلق ارشاد ہے وبالمؤمنین رؤف رحیم ۔ یعنی ان جان نثاروں کے ساتھ وہ حد درجہ کی رحمت اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے ۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ اس کا جو تعلق ہمارے ساتھ ہے خود خالق نے نہ صرف اس کی نشاندہی فرمائی ہے بلکہ اس امر کی شہادت بھی دی ہے کہ اس نے اس تعلق کو نبھانے کا حق ادا کر دیا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہمارا تعلق اس کے ساتھ کس نوعیت کا ہے جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اس امر کا محاسبہ کرنا ممکن ہی نہیں کہ ہم اس تعلق کو کس حد تک نبھاہ رہے ہیں اس لئے اس کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہونا ضروری ہے۔ ہمارے اس تعلق کی نوعیت کے مختلف پہلو اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں جا بجا بیان فرمائے ہیں کہیں اس تعلق کے کسی ایک پہلو کا ذکر ہے، کہیں دو کہیں سب یکجا۔ ایک مقام پر اس تعلق کے چار پہلوؤں کو جمع کرکے یہ اعلان فرمایا کہ تمہاری فلاح کا مدار ہی اس پر ہے کہ ان شرائط کے ساتھ اس تعلق کو قائم رکھے رہو۔ اس لئے محاسبہ کے عمل کی صورت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص خواہ وہ کسی مقام اور مرتبے کا خواہ اس کی کوئی حیثیت ہو اپنا جائزہ خود لے اپنا محاسبہ خود کرے وہ اس تعلق کو کہاں تک نبھاہ رہا ہے۔

۱۔ اس تعلق کی بنیاد جس بات پر ہے وہ ہے "ایمان"۔

کہیں یہ تعلق قائم کرنے کے لئے ایمان کا براہِ راست حکم ہے جیسے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ کہیں اس کی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے فرمایا۔

لتؤمنوا باللہ و رسولہ۔ کہیں کامیاب اور فلاح یافتہ لوگوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا فالذین اٰمنوا بہ

یعنی اس کے ساتھ تعلق کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔

مگر یہ ایمان کیا چیز ہے۔ ایمان دراصل دل کے یقین کا نام ہے اور اس کا علم صرف ایمان لانے والے کو ہوتا ہے یا وہ جانتا ہے جو علیم بذات الصدور ہے۔

پھر دل کی ترجمان زبان ہوتی ہے۔ اس لئے انسانی معاشرے میں ایمان کی صورت جب پیدا ہوتی ہے جب دل کی بات زبان پر آ جائے اور انسان اس دل کے یقین کا اظہار زبان سے کر دے گویا ایمان نام ہوا تصدیق قلبی اور زبان سے اس کے اقرار کرنے کا۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ دل اور زبان میں باہم ٹھنی رہتی ہے اس لئے زبان وہ نہیں کہتی جو دل میں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ کہتی ہے

جس میں اپنا کوئی مفاد نظر آتا ہے۔ دل اور زبان کے اس تضاد کا اثر اعمال پر پڑتا ہے اور اعمال اس کی گواہی دیتے ہیں۔ جو دل میں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تضاد اب صرف دل اور زبان میں نہیں رہتا بلکہ زبان اور اعمال میں بھی تضاد سامنے آجاتا ہے اس لئے اہل نظر کہہ اٹھتے ہیں ؎

اس کی باتوں سے تو نے اسے سمجھا خضر
اس کے پاؤں کو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں

عمل کے اس واضح تضاد کے باوجود زبان پھر بھی وہ کہے چلی جاتی ہے جو دل کے یقین اور اعمال کی صورت کے بالکل برعکس ہوتا ہے دل زبان اور عمل کے اس تضاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دل یقین سے محروم ہے اس لئے ایمان کی حلاوت کا نام ونشان نہیں ملتا۔ یہ تضاد غلط فہمیوں کا ایک گھنا جنگل ہوتا ہے جس میں حقیقت کی روشنی کی کوئی کرن تلاش کرنا کٹھن کام ہے۔ مگر کیا ٹھکانا اس رحمت مجسم کی رحمۃ للعالمین کا کہ اس کے لئے بھی ایک رہنما اصول بتادیا ارشاد نبوی ہے لا یومن احدکم حتیٰ یکون هواه تبعا لما جئت به

یعنی کوئی شخص دعویٰ ایمان میں سچا نہیں جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو میری تعلیمات کے تابع نہ بنا دے۔

یہ ہے ہمارے اس تعلق کے بنیادی تقاضا کے سلسلے میں اپنا احتساب کرنے کا مقام، اپنے روزمرہ کے معاملات پر غور کریں تو بات کہیں الجھی ہوئی کہیں کھلم کھلا خلاف نظر آتی ہے۔ مثلاً یہ دن دہاڑے ڈاکے یہ راتوں کو نقب زنی کی تھوک وارداتیں یہ تک سمگلاؤ کی گرم بازاری، یہ غبن، یہ غمی خوشی کے موقع پر رسوم کی پابندی یہ کم تولنا، یہ ملاوٹ یہ جھوٹ، یہ دھوکا بازی، کیا یہ ساری صورتیں اپنی خواہشات کو نظام مصطفےٰ کے تابع کرنے کی صورتیں ہیں اگر نہیں اور واقعی نہیں تو اس پر ایمان کہاں ہے جس کا نظام رائج کرنے کے نعرے فضا میں گونج رہے ہیں۔

آیئے محتسب اعلیٰ کے کام شروع کرنے سے پہلے ہم اپنا محاسبہ کریں کہ ہم جس کا کلمہ پڑھتے ہیں جب اس سے بیوفائی کرنے میں عار نہیں سمجھتے تو اوروں سے کیا وفا کریں گے۔

جب اس پر ایمان نہیں تو اس کے حکم کی تعمیل کا جذبہ کہاں سے آئے گا جب اس کی تعلیمات کو معاذاللہ ہم صحیح نہیں سمجھتے تو ان کو

عملی جامہ پہنانے کا عزم کہاں سے آئے گا۔ یہ نہ ہونا ابتدا ہے جس کی انتہا ہونا یہ ہے کہ اس کا حکم سنکر اس کے خلاف احتجاجی جلوس نکلیں اور صرف مومن ہی نہیں مومنات بھی سڑکوں پر نکل آئیں کہ ہمیں اس کی بات کیوں سُنائی جاتی ہے جس کا نظام رائج کرنے کا نعرہ بلند ہو رہا ہے ہماری خواہشات کی راہ میں اس کے احکام کی رکاوٹیں کیوں کھڑی کی جاتی ہیں جس پر ہمارا ایمان صرف زبان کی نوک تک ہے۔ اور ہماری اس ایمان کی ایکٹینگ کو سچ مچ کا ایمان کیوں سمجھا جا رہا ہے

ذاتی خواہشات کو تعلیمات نبوی کے تابع کر دینے کی ہلکی سی جھلک دیکھنی ہو تو ٹی۔ وی کا نظارہ کریں۔ صدر محترم نے چادر اور چار دیواری کے تقدس کو زندہ کرنے کی جو تلقین کی ہے اور خواتین کے سروں پر دوپٹے کا بوجھ اٹھانے کا جو ارشاد فرمایا ہے وہ بجا مگر اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اس لئے جب سر کے چوتھائی حصے کا مسح کرنے سے مسح ہو جاتا ہے تو سر کے چوتھائی حصے پر دوپٹہ رکھ دینے سے سر ڈھانپنے کا حق بھی ادا ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر چوتھائی حصہ سر پر موہیئر الگ نہ سکے تو جوڑے کے ساتھ پن بھی تو لگایا جا سکتا ہے اور یہ تکلف بھی صرف خبریں سنانے والوں کو کرنا کافی ہے باقی سکرینا پر جو آئے ننگے سر آئے بال کھول کر آئے۔ بن ٹھن کر آئے کیونکہ ایمان کا تقاضا بھی ہے کہ اپنی خواہشات کو اس کی تعلیمات کے تابع کر دیتا ہے جس پر ہمارا ایمان ہے اور جس کا نظام رائج کرنے میں ہر فرد نے مقدور بھر حصہ لینا ہے۔

اس احتساب سے تو یوں لگتا ہے جیسے ایمان کا بنیادی پتھر ہی سر سے غائب ہے یا اپنے مقام سے کھسکا ہوا ہے۔

ایمان کی ایک علامت کا معاملہ تو کچھ مایوس کن ہی نظر آتا ہے البتہ ایک اور علامت کو سامنے رکھ کر ذرا اپنا محاسبہ کرتے ہیں۔

ارشاد ہے لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔

"یعنی کسی شخص میں ایمان کامل کا
تشخص نہیں ہو سکتا جب تک اسے
اپنے باپ بیٹے بلکہ سب سے بڑھ کر
مجھ سے محبت نہ ہو۔"

یہ علامت کچھ حوصلہ افزا معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہر شخص کے دل میں نبی کریمؐ کی محبت موجود ہے۔ مگر یہ کیسے معلوم ہوا؟
یہ اس طرح کہ ہر مسلمان یہ کہتا ہے اور مسلمان سے حسن ظن رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا

یہ دعویٰ تسلیم کرنا چاہیے کہ مجھے حضور سے محبت ہے ۔ مگر محبت کا مقام اور مرکز تو دل ہے اور دل کا حال کون جانے ہاں یہ ضرور ہے کہ جذبات اُبھر کے سامنے آجاتے ہیں ۔ دل کا جذبہ ظاہر ہو کے رہتا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ جشن میلاد میں محبت کس شان سے ظاہر ہوتی ہے ، یہ خوشی یہ جلوس ، یہ نعرے ، یہ چراغاں ۔ یہ آرائش و زیبائش محبت کی بہار ہی تو ہے بلکہ محبت پورے جوبن پر نظر آتی ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان پر بہار آئی ہے ۔ واقعی یہ پہلو بڑا خوش کن ہے مگر اس میں ایک دقت یہ پیش آتی ہے کہ محبت کی پیمائش کے یہ سارے پیمانے کہیں جعلی نہ ہوں ممکن ہے محبت کی پیمائش کا کوئی سرکاری پیمانہ بھی ہو ۔ چلیے سرکار سے پوچھ لیتے ہیں چنانچہ سرکار کا ارشاد ہے من احب سنتی فقد احبنی
یعنی جس نے زندگی کے ہر معاملے میں مجھ سے پوچھا
اور میری پسند یا میرے کہنے کے مطابق
یا یوں کہیے کہ میری سنت کے مطابق
کام کیا وہ محبت کے دعوے میں
سچا ہے ۔“

یہاں بات پھر اُلجھ گئی اندیشہ ہونے لگا کہ ہمارے سارے پیمانے شاید جعلی ہوں کیونکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری خود نمائی کی خواہش کی تسکین کس صورت میں ہوتی ہے ہمیں کونسی صورت اختیار کرنے میں مزہ آتا ہے ، واہ واہ کیسے ہوتی ہے شو (SHOW) کے تقاضے کیونکر پورے ہوتے ہیں ۔ ہم نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ خوشی منانے کا سرکار نے کیا سلیقہ سکھایا ہے ۔ ہم نے کبھی یہ غور ہی نہیں کیا محبت کے آداب سرکار نے کیا سکھائے ہیں ۔ ہم تو بس یہی سمجھے بیٹھے کہ محبت اور دشمنی میں سب کچھ جائز ہے ۔“

ایمان کی دوسری علامت جو محبوب نے بتائی اس لحاظ سے ہمارے احتساب کا نتیجہ بھی کوئی حوصلہ افزا نہیں ہوتا ، کیونکہ محبت کے معاملے میں بھی ہم نے محبوب کی پسند کا لحاظ قطعاً نہیں رکھا اپنی پسند اور اپنی خواہش کو ہی اپنی عملی زندگی پر مسلط پایا ، یا یوں کہیے کہ ہم نے محبت کرنے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی بجائے محبت کی پیکنگ میں کمال پیدا کرنے میں کوئی کمی نہیں رہنے دی مگر اس کے رویے کی وجہ سے جو نقصان ہو رہا ہے اس سے ہم غافل ہیں ۔“

ان کا کیا ہے چاہنے والے تم نہ سہی تو اور بہت
ترکِ محبت کرنے والو تم تنہا رہ جاؤ گے

ایمان کے بعد نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی دوسری بنیاد وہ ہے جسے خالق محبوب نے کہیں تو حضور ﷺ کی بعثت پر لبیک کہنے والوں پر

فرض نمائد کیا کہ تعزروہ - اور کہیں فلاح یافتہ لوگوں کا وصف بیان فرمایا وعزروہ یعنی اس کے ساتھ تعاون کرنا اور اس کی مدد کرنا یہ اس تعلق کا دوسرا تقاضا ہے اس لفظ کے مفہوم میں صرف مدد شامل نہیں بلکہ تعظیم کے ساتھ مدد کرنا مراد ہے مگر ان دونوں مفہوموں کی تاکید کے لئے ایک جگہ نصروہ کا لفظ شامل ہے دوسری جگہ وتوقروہ کا لفظ گویا اس دوسری بنیاد میں دو امور پائے جاتے ہیں۔ ایک تعظیم دوسرا مدد۔

جہاں تک تعظیم کا تعلق ہے حضور اکرمؐ سے بڑھ کر قابل تعظیم ہستی پوری مخلوق میں کوئی پیدا ہی نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم میں سے ہر شخص حضور اکرمؐ کو قابل تعظیم سمجھتا ہے بلکہ اس پر پورا پورا یقین رکھتا ہے۔ حضورؐ کے مقابلے میں مخلوق میں سے کسی کو در خور اعتنا ہی نہیں سمجھتا بڑی مبارک اور بڑی خوشی کی بات ہے۔ مگر بات جب زبانی دعوے سے بڑھ کر عملی زندگی کے معیار پر رکھی جاتی ہے تو عجیب کشمکش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے تعظیم کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی کو عظیم سمجھنا۔ جب کسی کو عظیم سمجھا تو اس کی ذات کے مقابلے میں کسی کو ترجیح دینے کا سوال ہی اٹھ گیا۔ اور اسکی بات کے مقابلے میں کسی کی بات کا کوئی وزن نہ رہا۔

ہماری روزمرہ کی عملی زندگی خواہ وہ اجتماعی ہو یا انفرادی وہاں تو نقشہ کچھ اور ہی نظر آتا ہے تعظیم تو ہم حضورؐ کی کرتے ہیں مگر بات مانتے ہیں رسم و رواج کی، فیشن کی، اپنی خواہش کی اپنے مفاد کی، سوشلسٹوں کی، ہپیوں کی بلکہ ہر اس کی جو حضورؐ کا مخالف ہو۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده "یعنی میری تعظیم کرنے والا وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو ایذا نہ پہنچے"

ہم نے اسی میں کمال سمجھا کہ اپنی ہر صلاحیت اور ہر قوت دوسروں کو ایذا دینے اور نقصان پہنچانے میں کھپ جائے معاشرے میں جتنا بگاڑ، جو بے راہروی، جو ظلم و جبر پھیلا ہوا ہے کیا اسی وجہ سے کہ ہم نے حضورؐ کی بات کو دوسروں کی بات سے زیادہ قابل قدر سمجھا حضورؐ کی جو تعظیم ہم کر رہے ہیں اس کی صحیح ترجمانی تو ایک کہاوت ہی کرتی ہے کہ "پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر مگر پرنالہ وہیں رہے"۔ معلوم ہوا کہ جہاں تک حضورؐ کی تعظیم کرنے کا سوال ہے اس انتساب میں ہم عملی طور پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نہایت بے وفا اور بدعہد ثابت ہوئے ہیں

تعظیم کے ساتھ حضورؐ کی مدد کرنے کا سوال ذرا ٹیڑھا ہے یعنی حضورؐ کی مدد کس رنگ میں اور کس صورت میں کی جائے مدد کی صورت تو یہی ہوا کرتی ہے کہ کسی کو مال جائداد یا منصب حاصل کرنے میں امداد کی جائے مگر حضورؐ کے سامنے تو ان میں سے کوئی منصوبہ تھا کوئی مہم نہ تھی۔ پھر حضورؐ کی مدد کرنا ہمارے تعلق کی بنیاد کیونکر بن گیا۔ اس عقدے کا حل معلوم کرنے کے لئے یہ دیکھنا پڑے گا کہ حضورؐ کے سامنے کونسی مہم تھی کونسا نصب العین تھا جس کے حصول کے لئے حضورؐ ۲۳ برس تک مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔

اللہ کی کتاب نہیں بتاتی ہے کہ حضورؐ کے فرائض یہ تھے۔ یتلوا علیھم ایاتہ یعنی اللہ کا کلام اللہ کے بندوں تک پہنچائے ویزکیھم اللہ کے باطن کو سنوارے ان کے اخلاق کا تزکیہ کرے۔ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضورؐ کی مدد کی صورت یہ ہے کہ حضورؐ کے مفوضہ کام میں حضورؐ کا ساتھ دیا جائے۔

اس پہلو سے اپنا احتساب کیا جائے تو اس کے نتیجہ میں ہم غافل ہی نہیں بلکہ مجرم ثابت ہوتے ہیں

پہلی بات اللہ کے احکام اللہ کے بندوں تک پہنچانا ہے اللہ کے احکام کہاں ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں ہیں۔ اب ذرا گردوپیش نظر اٹھا کر دیکھئے کتنے مسلمان ہیں جو قرآن پڑھنا جانتے ہیں۔

حالانکہ قرآن کا پڑھنا پہلا سبق ہے پھر اس کا سمجھنا ہے اور اصل مقصد اس پر عمل کرنا ہے جو قرآن سے واقف نہیں وہ سمجھے گا کیا اور اس پر عمل کیسے کرے گا۔ اور جب تک یہ نہ ہوگا وہ دوسروں تک اللہ کے احکام کیسے پہنچائے گا گویا ہم نے اللہ کے احکام پہنچانے میں ہی غفلت کا ثبوت نہیں دیا بلکہ اللہ کے احکام معلوم کرنے کی ضرورت کو بھی اپنی زندگی سے خارج سمجھا اور اگر قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے تو اس کی صورت یہ بنی کہ کچھ

اب تو میوزک ہال میں قرآن گایا کیجئے

دوسری شق دوسروں کے اخلاق کا تزکیہ کرنا اس ضمن میں عجیب صورت سامنے آتی ہے بھلا چور اور ڈاکو دوسروں کے اخلاق سنواریں گے۔ بھلا رشوت خور اور غبن کرنے والے دوسروں کا تزکیہ کریں گے بھلا شرابی اور ناچنے والے دوسروں کا تصفیہ باطن کریں گے۔ بھلا بھانڈ اور گویئے طبلے کی تھاپ پر آجا چوری چوری کی قسم کے راگ الاپ کر اسلامی اخلاق کا سبق دیں گے، بھلا جھوٹی گواہیاں دینے والے جھوٹی قسمیں کھانے والے دوسروں کی باطن کی دنیا روشن کریں گے۔

جب زہر سے تریاق کا کام لینے پر اصرار ہے تو بیمار کا خدا حافظ راہزنی کو جب رہبری سمجھ لیا جائے تو تزکیہ باطن کا کام ہو لیا۔

تیسری شق تعلیم کتاب وحکمت کا کام تھا اس سلسلے میں کیا یہی صورت نہیں کہ ع

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

معلوم ہوا کہ حضور اکرمؐ سے ہمارے تعلق جو یہ بنیاد تھی وہ بھی کھوکھلی ہو چکی ہے بلکہ ڈھے چکی ہے اس بارے میں احتساب کا نتیجہ یہی وہی ہے کہ ہم نے اپنے محسن سے بے وفائی کی اور بے مہری کی۔

حضور اکرمؐ سے ہمارے تعلق کا تیسرا تقاضا ان الفاظ میں بیان ہوا۔ واتبعوا النور الذی انزل معہ "یعنی وہ اللہ کا نور جو قرآن کی صورت میں نبی کریمؐ کو عطا کیا گیا اس کا اتباع کرو"

عقیدت کے جذبے کے تحت کسی سے وابستگی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک کا نام اطاعت ہے دوسری کا

نام اتباع ہے ، اطاعت یہ ہے کہ حکم ملا اس کی تعمیل کردی ۔ پھر اس تعمیل کی دو صورتیں ہوتی ہیں اول یہ کہ خوشدلی سے شوق سے اور فرض شناسی کے جذبے کے ساتھ تعمیل کی دوم یہ کہ حکم کی تعمیل نوکری کی تگ بیگار سمجھ کر اور حکم دینے والے کے خلاف نفرت رکھتے ہوئے اور کڑھتے اور بڑبڑاتے ہوئے تعمیل کی ۔ یہ دوسری صورت دنیوی تعلق ذاتی مفاد یا کسی نقصان سے بچنے کے لئے ہوتی ہے اور بنیادی امور میں دنیوی حکام کے ساتھ یہ صورت بن سکتی ہے لیکن جہاں عقیدت ہو وہاں اس صورت کی تعمیل کا خیال تک نہیں آسکتا کیونکہ عقیدت کا تعلق دل سے ہے اس لئے یہ تعمیل حکم بھی نہایت خوشدلی کے ساتھ ہوا کرتی ہے ۔

اتباع یہ ہے کہ صرف حکم کا انتظار ہی نہ کرتا رہے بلکہ اس بات کی ٹوہ میں لگا رہے کہ جس کے ساتھ عقیدت کا تعلق ہے اسے کونسی بات اور کونسا عمل پسند ہے ۔ اس کی پسند کے مطابق تڑپ اور ولولہ کے ساتھ کام کرتا رہے ۔ تو یہاں مطالبہ اتباع کا ہے صرف اطاعت کا نہیں اتباع کے لئے عقیدت کے ساتھ محبت کا ہونا بھی ضروری ہے اس لئے اس مطالبہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ نبی کریم کو جو تعلیمات تمہاری ہدایت کے لئے دی گئی ہیں ان کے ساتھ تمہارا تعلق محض ضابطے کی کارروائی نہ ہو بلکہ اس کتاب الہی کی مدد سے یہ تلاش کرنا ہے کہ محبوب کی پسند و ناپسند کا معیار کیا ہے ۔ جو کچھ اسے پسند ہو وہی تمہاری پسند بھی ہو ۔ اس لئے اس کے احکام کو محض حکم ہی نہ سمجھو بلکہ

حقیقی زندگی کا راز اس میں مضمر ہے کہ دل کی گہرائیوں سے پورے جذبۂ محبت کے ساتھ **ان تعلیمات پر عمل کرو**

اس پہلو سے اپنا احتساب کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے نور پر ظلمت کو ترجیح دے رکھی ہے روشنی سے بھاگ گئے ہیں اور اندھیروں کی طرف لپکتے ہیں وہ یوں کہ قرآن کی پسند تلاش کرنا تو دور کی بات ہے قرآن کے واضح احکام میں تاویل کر کے اپنے ڈھب پر لانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں قرآن کے جو احکام تہذیب مغرب کی ذہنیت سے ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں ان احکام کی صحت میں شبہ ہونے لگتا ہے مثلاً سود کی حرمت کے واضح احکام موجود ہونے کے باوجود ہم برملا کہتے ہیں سود کے بغیر کام نہیں چلتا اور ہم بڑے معصومانہ طریقے سے سود کو منافع کا نام دیکر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اغیار کہہ اٹھتے ہیں ۔

defeated the Prophet

اور اس تلخ طنز پر بھی ہمارا جذبۂ حمیت بیدار نہیں ہوتا یا مثلاً قرآن نے شراب کی حرمت کا واضح طور پر اعلان کردیا اور ہم شراب کی بھٹیاں لگا رکھے ہیں اور ہمارے بڑے فخریہ انداز میں کہتے ہیں شراب پیتا ہوں کسی کا خون تو نہیں پیتا ۔

یا مثلاً قرآن نے بار بار اعلان کیا کہ اللہ کے قانون کو چھوڑ کر جو انسانوں کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے کریں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں مگر ۳۵ برس میں مسلمان حاکم آتے رہے اور جاتے رہے ۔ حکومتیں بدلتی رہیں ۔ لیکن انگریز کا بنایا ہوا قانون نہ بدلا جا سکا

کیونکہ ہم نے جس اللہ کے نام پر یہ ملک حاصل کیا تھا اس کے ساتھ وفاداری کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا قانون نافذ نہ ہونے پاتے۔

یا مثلاً قرآن نے عورت کی فطرت، اس کی نفاست اس کی نزاکت کے پیش نظر ایک خاص دائرہ عمل تجویز کیا تھا۔ ہم نے اس دائرہ میں شگاف ہی نہیں ڈالے بلکہ اسکو توڑ پھینکنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ قرآن نے عورتوں کے بن ٹھن کر نکلنے اور نامحرم مردوں کے ساتھ آزادانہ خلا ملا پر قدغن لگائی ہم نے اسے قید یا مشقت قرار دیا اور قومی دولت کا معتد بہ حصہ صرف میک اپ کے سامان منگانے میں جھونک دیا۔ اور عورت، عورت نہ رہی بلکہ مرد مؤنث بن کر رہ گئی۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اگر کسی سرپھرے نے قرآن کی بات سنائی جس کے اتباع کا ہم نے عہد کیا تھا تو عورتیں سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر نکل آئیں۔ کہ اس بے وقت راگنی سے ہمارے عیش کو مکدر کیوں کیا گیا۔

غرض کوئی کہاں تک شمار کرے۔ جس قرآن کے اتباع کا ہم عہد کر چکے ہیں اس کے ہر حکم کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر توڑا گیا اور توڑا جا رہا ہے واقعی احساس زیاں کا مفقود ہو جانا ہی اللہ تعالے کا بہت بڑا عذاب ہے جو اس دنیا میں بے وفا اور بد عہد لوگوں پر نازل ہوتا رہتا ہے۔

نظام مصطفےٰ کا نعرہ لگانے والوں کے نبی کریم کے ساتھ تعلق کی یہی بنیادیں تھیں جو ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے متزلزل کر دیں۔

یہ ہے اپنا احتساب، اب اس کا نتیجہ کیا نکلا یہی کہ صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے اس لئے ہمیں انسانیت کے محسن اور خاص طور پر اپنے محسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے وفائی بد عہدی بے اعتنائی اور مخالفت سے اب توباز آجانا چاہئے ورنہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے ؎

آسمانی توپ چلتی ہے کہیں برسوں کے بعد
دور ہو جاتی ہیں ساری غفلتیں دو دیر میں

قارئین کرام کی خدمت میں

"المرشد" میں مضامین بھیجنے کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ رکھیں

"دارالعرفان" منارہ۔ ضلع جہلم

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

کتاب	قیمت
دلائل السلوک (اردو)	۲۵/۰۰
صوفی ازم (انگلش)	۴۰/۰۰
حیاتِ برزخیہ	۲۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	۲۵/۰۰
الدین الخالص	۲۵/۰۰
حیاتِ انبیاء	۱۰/۰۰
اطمینانِ قلب	۱۰/۰۰
تعمیر سیرت	۷/۵۰
لغزشیں	۷/۵۰
حضرت امیر معاویہؓ	۷/۵۰
اسرار الحرمین	۵/۰۰
انوار التنزیل	۵/۰۰
کس لئے آئے تھے؟	۵/۰۰
متعرف	۳/۰۰
خدایا ایں کرم بارِ دگر کن	۷/۵۰
دیارِ حبیب میں چند روز	۵/۰۰
دین و دانش	۵/۰۰
مغالطے	۵/۰۰
پاکیزہ معاشرہ	۷/۵۰
فضائل توبہ استغفار	۲۰/۰۰
المرشد (فی شمارہ)	۳/۰۰
حج کی دعائیں ۳ حصے	۵/۰۰
ذکر اللہ (عربی)	۳/۰۰
بزم انجم	۱۵/۰۰
فوزِ عظیم	۱/۵۰
علم و عرفان مع تلاش ۲	۳/۰۰
سالانہ چندہ المرشد	۳۵/۰۰
کونوا عباد اللہ (زیر طبع)	
ایمان بالقرآن کلاں	۲۰/۰۰

ماہنامہ
المرشد
۹۹

زیر سرپرستی
حضرت العلام مولانا
اللہ یار خان صاحب مدظلہ

اصلاح احوال و باطنی اصلاح

سالانہ چندہ
پینتیس ۳۵ روپے

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ ضلع جہلم ۰ سول الخیب مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

کتبہ سید مشاہد حسن رضوی